تم ہنستی زندگی لگتی ہو

فرحت اشتیاق

شاہ میر کے ساتھ کراچی سے کوئٹہ تک کا سفر ماہین کی زندگی کا بکواس ترین سفر تھا۔ اسے اپنی ذات پر بلا وجہ کی روک ٹوک اور تنقید زہر سے بھی بری لگتی تھی اور شاہ میر سارے راستے دادا جان بنا "یہ مت کرو' یہاں مت بیٹھو' ایسے مت کھاؤ" کا راگ الاپتا رہا تھا۔ ممی نے اپنی عادت سے مجبور ہو کر اسے بے پناہ نصیحتوں سے نوازنے کے بعد شاہ میر سے کہا تھا۔

"اس کا خیال رکھنا۔ مجھے تو اس لڑکی کے بے ڈھنگے پن سے ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے۔ تم بڑے ہو' تمہیں ہی اس کا دھیان رکھنا ہو گا۔" اور ممی کے ان ارشادات پر وہ بری طرح چڑ گئی تھی۔ اول تو وہ اب کوئی چھوٹی سی بچی نہیں رہی تھی جسے کسی دیکھ بھال کی ضرورت ہو۔

"پتا نہیں ممی کو یہ بات کب سمجھ میں آئے گی کہ اب میں بڑی ہو چکی ہوں۔" اس نے جل کر سوچا تھا اور دوسرے یہ کہ شاہ میر خود کون سا کوئی بہت میچور اور ذمہ دار بندہ تھا وہ اس سے محض تین سال بڑا تھا۔ مگر اس تین سالہ بڑائی کے باوجود گھر والے اور دیگر تمام لوگ اس کی ذہانت' سمجھ داری اور سوجھ بوجھ کے جس قدر قائل تھے ماہین کے بارے میں سب کے خیالات اسی قدر منفی نوعیت کے تھے۔ کوئٹہ ایئرپورٹ پر نانا ابا نے ان لوگوں کو ریسیو کیا تھا۔ وہ پورے ایک سال بعد ان سے ملی تھی۔ اس لیے انہیں دیکھتے کے ساتھ ہی بے تابی سے جا کر ان کے گلے لگ گئی تھی اس کے والہانہ انداز کا انہوں نے بھی بڑی گرم جوشی سے جواب دیا تھا۔ شاہ میر نے فوراً اسے ٹوکا تھا۔

"تم صرف نانا ابا سے بات کر رہی ہو یا سارے ایئرپورٹ سے مخاطب ہو۔ آہستہ آواز میں انسانوں کی طرح بات نہیں کر سکتیں۔" اور وہ جو راستے بھر کی بھری ہوئی تھی نانا ابا کی شکل میں اپنا سب سے حمایتی دیکھ کر ان سے بولی۔

"نانا ابا یہ سارے راستے مجھے ڈانٹتا رہا ہے۔ یہ مت کرو۔ ایسے مت چلو' ممی نے یونہی ازراہ تکلف میرا خیال رکھنے کو کہہ دیا تو یہ خود کو سچ مچ میرا بزرگ سمجھنے لگا ہے۔" اس کی شکایتوں پر نانا ابا کے لبوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی تھی۔ اپنی اس نواسی میں تو ان کی جان تھی۔

اس کی پیدائش اپنے ننھیال ہی میں ہوئی تھی۔ جن دنوں وہ پیدا ہونے والی تھی اس کے ڈیڈی کی پوسٹنگ لندن ہو گئی تھی۔ شوہر کے جانے کے بعد ممی کے لیے کراچی میں اکیلے رہنا مشکل ہوا تو وہ نانا کے پاس آ گئیں۔ گو بعد میں ڈیڈی نے ان لوگوں کو وہیں اپنے پاس بلا لیا تھا مگر اس دوران جو ایک سال ان لوگوں نے نانا ابا کے ہاں گزارا وہ لوگ اس سے بہت مانوس ہو گئے تھے۔ اسی وقت سے ہی نانا ابا اور نانی اس کے دل و جان سے عاشق ہو گئے تھے۔

ان لوگوں کی اس درجہ چاہت ہی کا سبب تھا کہ ہر سال گرمیوں کی چھٹیاں نانا ابا کے پاس آ کر گزارتی تھی۔ جون جولائی کی چھٹیوں میں ان لوگوں کی فیملی بڑی خالہ اور چھوٹی خالہ کی فیملیز نانا ابا اور نانی امی کے پاس آیا کرتے تھے۔ یہ بھی عجیب اتفاق تھا کہ نانا ابا

...ڑکیاں کراچی میں بیاہی گئی تھیں۔ بیٹا ان کا ...ل ایک ہی تھا جو برسوں پہلے وطن کو خیرباد کہہ کر ...یر ملک ہو گیا تھا۔ عید تہوار پر بیٹے' بہو اور پوتوں کو ... دونوں خوش ہو لیا کرتے تھے۔ وہ کبھی کبھار ... نہیں لوگ بیٹوں کی اتنی خواہش کیوں کرتے ... کیا بیٹوں سے زیادہ بیٹیاں ماں باپ کی زیادہ وفادار ... تھیں۔ دوسرے گھر جا کر بھی ماں باپ کو نہیں ... اور بیٹے ماں باپ کی تنہائی کا خیال کیے بغیر اپنی ... الگ بسا لیتے ہیں۔

ایسا ہی حال داؤد ماموں کا بھی تھا۔ وہ ایک بار جو کینیڈا کے ہوئے تو پھر ماں باپ کو بھول گئے۔ داؤد ماموں کے اس طرح چلے جانے کے بعد ممی اور خالاؤں نے نانا ابا اور نانی امی پر بہت زور ڈالا کہ وہ لوگ گھر وغیرہ کرائے پر دے کر کراچی شفٹ ہو جائیں۔ اس عمر میں تنہا رہنا نہایت دشوار ہے۔ مگر وہ دونوں ہی اپنا گھر اور اپنی جگہ چھوڑنے کو تیار نہ ہوئے تو سب کو خاموش ہو جانا پڑا۔

زیارت سے کچھ ہی آگے وہ نہایت ہی پر فضا اور

حسین ہے۔ تھی جہاں وہ لوگ رہا کرتے تھے۔ تایا ابا کے سیبوں کے باغات تھے اور وہیں قریب ہی ان کا گھر بھی تھا۔ قدیم طرز تعمیر کا شاہکار وہ خوب صورت سا گھر اور وہ جگہ اسے شروع ہی سے بہت اچھی لگتی تھی۔

ایسا لگتا تھا جیسے یہ کوئی پریوں کا مسکن ہے۔ صاف ستھری اور صحت بخش آب و ہوا اور آنکھوں کو تازگی بخشتے نظارے۔ وہ سارا سال یہاں آنے کے لیے دن گن گن کر گزارا کرتی تھی۔ جب تک سب بچے اسکول گوئنگ تھے جون جولائی کی چھٹیوں میں سب باجماعت آیا کرتے تھے۔ لیکن اب کچھ سالوں سے ایسا ہونے لگا تھا کہ کبھی کسی کے ایگزام ہیں تو کسی کے پریکٹیکل اور یوں وہ کھینچنے والی بات ختم ہو گئی تھی اور اس سال تو جون' جولائی میں نانا ابا اور نانی امی واؤد ماموں کے پاس کینیڈا چلے گئے تو ان لوگوں کی ملاقات ہی نہ ہو پائی۔

نانا ابا بھی کاروبار کی مصروفیت کے سبب چکر نہ لگا سکے تو وہ ان لوگوں سے ملنے کے لیے بری طرح بے چین ہو گئی۔ وہ سیکنڈ سمسٹر کے ایگزام سے فارغ ہوئی تو فوراً ہی یہاں آنے کا پروگرام بنا لیا۔ ممی تو اسے اکیلے کبھی بھی نہ بھیجتیں وہ تو خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ بڑی خالہ نے شاہ میر کے نانا ابا کے پاس جانے کی خبر سنائی۔

یہ ایک الگ داستان تھی کہ ممی کو منانے میں اسے کتنی مشقت کرنی پڑی تھی۔ شاہ میر نے اپنے ساتھ اس کے جانے کا سنا تو بہت چوں و چرا کی۔

"میں امتحانوں سے فارغ ہو کر چار دن وہاں سکون سے گزارنے جا رہا ہوں اور آپ اس بلا کو میرے پیچھے لگا رہی ہیں۔" اس کی بات کا ماہین سے زیادہ بڑی خالہ نے برا منایا تھا۔ ان کی ڈانٹ پھٹکار اور طویل لیکچر ہی کی وجہ سے وہ اسے ساتھ لے جانے پر آمادہ ہوا تھا۔

ننھیال کی طرف کے تمام بچوں میں وہ سب سے بڑا تھا اور اپنی اس بڑائی کا اس نے ہمیشہ ناجائز فائدہ اٹھایا تھا۔ باقی بچے تو پھر بھی شرافت سے شروع وقت سے اس کی بڑائی کو تسلیم کر گئے تھے مگر ماہین اس تین سالہ بڑائی کو بڑائی ماننے ہی کو تیار نہ تھی۔ یوں شاہ میر کے مقابل صرف ایک وہی ڈٹ گئی تھی۔ باقی چھوٹی خالہ کے بچے تو ابھی کافی چھوٹے تھے اور اس کے دونوں بھائی بھی شاہ میر سے خاصے چھوٹے ہونے کے سبب اسے بڑا بھائی تسلیم کرتے تھے۔

شاہ میر الیکٹرونکل انجینئرنگ کر کے تازہ تازہ فارغ ہوا تھا۔ فائنل ایئر کا پروجیکٹ submit کروا کے اس نے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ رزلٹ آنے میں ابھی کم سے کم ایک مہینہ تو لگنا ہی تھا وہ یہ فارغ وقت نانا ابا اور نانی امی کے ساتھ وہاں کے پر فضا اور خوشگوار موسم میں گزارنا چاہتا تھا ماہین کی طرح اس کا بھی اپنے ننھیال میں بہت دل لگتا تھا۔ ماہین ماس کمیونیکیشن میں آنرز کر رہی تھی۔ اسے خود کو بچہ کہلوانے سے سخت چڑ تھی مگر گھر میں اور خاندان میں کوئی بھی یہ بات ماننے کو تیار نہ تھا۔

"دو سال بعد میں آنرز کر لوں گی اور آپ لوگ مجھے ابھی تک بچہ سمجھتے ہیں۔" یہیں آنے کے ایشو پر بحث ہوئی تو وہ چڑ کر بولی تھی۔

"چلو تو پھر دو سال گزرنے کا انتظار کر لیتے ہیں۔ دو سال بعد ہم تمہیں بڑے ہو جانے کا سرٹیفکیٹ دیں گے۔" شاہ میر نے اس کا مذاق اڑایا تھا۔ پھر اسے مزہ چڑانے کے لیے سمیر سے بولا۔

"یار سمیر میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ انسان اپنی عمر سے چھوٹا یا بڑا نہیں ہوتا۔ اس کی سوچ اور خیالات کی پختگی اسے بڑا یا چھوٹا ثابت کرتی ہیں۔ مجھ سے پوچھو تو میں تمہیں ماہین کا بڑا بھائی سمجھتا ہوں۔" اور پھر اس بات پر ایک طویل جنگ چھڑی تھی۔

گھر پہنچے تو نانی امی بے چینی سے ان لوگوں کا انتظار کر رہی تھیں۔ بوا جی اور رحمت کاکا بھی ان لوگوں سے بڑی گرم جوشی سے ملے۔

"بوا جی آپ کے ہاتھوں کے پکے کھانے وہاں کراچی میں بھی بہت یاد آتے ہیں۔" ماہین نے چپلی کبابوں سے انصاف کرتے ہوئے بوا جی کو مخاطب کیا تو ان کے جواب دینے سے پہلے ہی شاہ میر بول اٹھا۔

"...امی اس کی تعریفوں پر مت جائیے گا۔ یہ صرف ...لگا رہی ہے تاکہ جب تک یہاں رہے ...اپنی پسند کی چیزیں پکوا پکوا کر کھاتی رہے۔ ...لی اور چٹوری لڑکی آج تک نہیں دیکھی۔ اور ...لیموسب کتنی ڈائٹ کونشس ہوتی ہیں۔ ...میں کتنی کیلوریز ہیں اس کا حساب کتاب ...ہیں اور ایک یہ ہے بس ہر وقت کھلائے جاؤ۔"

"...مت ٹوکو بھئی میری بچی کو۔" نانا ابا نے شاہ ...تھا اور وہ جو اس کے کمنٹس پر تلملائی ہوئی ...فوراً بولی۔

"...دیں نانا ابا اسے۔ ایسی باتوں سے مجھے فرق ...پڑتا۔ اب سب اس کی طرح تو ہو نہیں سکتے کہ ...وں کی طرح چارہ کھائے جائیں۔"

ماہین نے اس کے پلیٹ بھر کر سلاد کھانے پر چوٹ ...کی۔

"...تمہارے پیپرز کیسے ہوئے۔ اس بار بھی ...آ رہی ہے کہ نہیں۔" نانی امی نے ماحول ...کرنے کی کوشش کے طور پر موضوع گفتگو ...کروایا تھا۔

"...ت اچھے ہوئے نانی امی بس آپ لوگ ابھی ...تیاری کر لیں۔ میں نے آپ دونوں سے بڑا ...سائنٹ وصول کرنا ہے۔" وہ مسکرا کر بولا تھا۔

"...نہیں بھئی جو مانگو گے ملے گا۔ لیکن شرط یہ ...کہ پوزیشن پہلی ہونی چاہیے۔" نانا ابا نے بھی ...میں حصہ لیا تھا۔

"...آپ لوگ دعا کریں۔" وہ اپنی پلیٹ میں ...ڈالتا ہوا بولا تھا۔

...سارا دن تو نانا ابا اور نانی امی کے ساتھ باتوں ہی میں گزر گیا تھا۔ رات کھانے کے بعد وہ شاہ میر اور نانا ...دیر تک کارڈز کھیلتے رہے تھے۔ نانی امی وہیں ...نٹنگ کرتے ہوئے ان لوگوں کی باتوں سے لطف ...اندوز ہو رہی تھیں۔ ان لوگوں کے آنے سے نانا ابا اور ...امی دونوں ہی بہت خوش ہو گئے تھے۔ بچوں کے ...آنے سے ان لوگوں کے گھر کی ویرانی ایک دم دور ہو گئی تھی۔

صبح اس کی آنکھ تقریباً گیارہ بجے کھلی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر نیچے آئی تو گھر میں صرف نانی امی اور بوا جی تھے۔

"میر اور نانا ابا کہاں ہیں۔" ناشتا کرتے ہوئے وہ بولی تھی۔

"وہ دونوں تو صبح کے نکلے ہوئے تھے۔ میر تمہارے نانا کے ساتھ باغوں کی سیر کرنے گیا ہے۔" نانی امی کے جواب پر اس کا منہ بن گیا تھا۔

"اکیلے اکیلے چلے گئے میرا انتظار بھی نہیں کیا۔" اس کے شکوے پر وہ مسکرا دی تھیں۔

"اب تمہیں کیا سوتے سے اٹھا دیتے۔ تمہارے نانا کو تو ویسے بھی وہاں سارا حساب کتاب چیک کرنے جانا تھا۔ تم ساتھ جاتیں بھی تو بور ہو جاتیں۔ میر تو خاص طور پر ساتھ گیا ہے ان کی مدد کرانے کے خیال سے۔" انہوں نے اسے مطمئن کرنے کی کوشش کی تھی۔ نانا ابا کے باغات میں بڑے عمدہ اور معیاری پھل پیدا ہوتے تھے۔ فصل بھی اچھی ہوتی تھی۔ شاید ان کے کاروبار میں برکت کی وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اس عمر میں بھی سارے کام خود کیا کرتے تھے۔ انہوں نے سارا کام ملازمین پر نہیں چھوڑا ہوا تھا۔ نئے دور کے تقاضوں سے خود کو ہم آہنگ کرتے ہوئے انہوں نے وہاں کافی ایڈوانس ٹیکنالوجی بھی استعمال کی تھیں۔ باقاعدہ ایگریکلچرسٹ اور سول انجینئرز سے سالانہ اپنے باغات کا معائنہ کرواتے تھے۔

ناشتا ختم کرتے ہی وہ باہر جانے کے لیے بے چین ہو گئی۔

"لنچ ٹائم تک میر اور تمہارے نانا ابا آ جائیں گے۔ کھانے کے بعد میر کے ساتھ جہاں دل چاہے چلی جانا۔" نانی امی نے اس کا ارادہ جان کر انکار کیا تھا۔

"اب کیا میں اتنی دیر اکیلی بیٹھی بور ہوتی رہوں۔ جانے دیں ناں۔ زیادہ دور نہیں جاؤں گی۔ بس آس پاس کا ایک چکر لگا کر آ جاؤں گی۔" وہ منت بھرے انداز میں بولی تھی۔

"کوئی ضرورت نہیں ہے۔ سکون سے بیٹھو۔ یہاں اکیلی عورتیں گھروں سے باہر نہیں نکلتیں اور تمہیں تو ڈھنگ سے راستے بھی یاد نہیں ہیں۔" نانی امی نے اب کے سختی سے منع کیا تو وہ منہ بنا کر چپ ہو گئی۔

"بے فکر رہو میں تمہیں بور نہیں ہونے دوں گی۔ چلو کچن میں چلیں ہم کڑاہی گوشت پکائیں جب تک کھیر بناؤں گی۔ میر کو میرے ہاتھ کی بنی کھیر بہت پسند ہے۔" نانی امی کچن کی طرف جاتے ہوئے اس کے ہوش اڑا گئی تھیں۔ کھانا پکانے کے نام سے تو اس کی جان جاتی تھی۔ ایسا تو نہیں تھا کہ اسے کچھ بھی پکانا نہیں آتا تھا بس یہ تھا کہ کچن میں اس کا دل نہیں لگتا تھا۔ بڑی مشکلوں سے مارے باندھے کچن میں جاتی اور جلدی جلدی الٹا سیدھا کام کر کے وہاں سے بھاگ کھڑی ہوتی تھی۔

"کیا ہے نانی امی میں دو دن یہاں سکون سے گزارنے آئی ہوں اور آپ مجھے باورچی کے فرائض تفویض فرما رہی ہیں اور اتنا دعوتی اہتمام کرنے کی آخر ضرورت کیا ہے۔ وہ کیا کہیں کا لینڈ لارڈ ہے جس کے لیے کھیر پکنی بہت ضروری ہے۔ بس یہ بواجی نے بریانی بنا تو لی ہے۔ ایک ڈش کافی ہے۔ ویسے بھی اس طرح رزق ضائع ہوتا ہے۔ کھانے کی میز پر صرف ایک ہی ڈش ہونی چاہیے اور میٹھے میں ہم لوگ فروٹ کھائیں گے جو صحت کے لیے نہایت مفید ہیں۔ آئیں اب چل کر بیٹھتے ہیں اور کچھ گپ شپ کرتے ہیں۔" وہ ان کا ہاتھ پکڑ کر کھینچتے ہوئے بولی تھی اور اس کی بات پر بواجی اپنا بے ساختہ قہقہہ روک نہیں پائی تھیں۔ نانی امی چہرے پر خفگی بھرے تاثرات لیے اسے گھور رہی تھیں۔

"باتیں جتنی چاہے بنوا لو جتنی تمہاری زبان چلتی ہے اگر ہاتھ بھی چلتے ہوتے تو کیا بات تھی۔ کام نہ کرنے کے سو بہانے سن لو اس لڑکی سے۔" گفتگو کے اختتام پر وہ بواجی سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"اچھا پکانے کا دل نہیں چاہ رہا تو میٹھے میں یہ بادام اور پستے ہی کاٹ لو۔" نانی امی کی مزید خفگی سے بچنے کے لیے وہ وہیں کچن میں موجود ٹیبل کے آگے کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

"میر! تم کہاں جا رہے ہو؟ میں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی۔" لنچ کے بعد کچھ دیر سستا کر وہ جیسے ہی باہر جانے کے لیے نکلنے لگا امین اس کے پیچھے چلی آئی۔

"میرے سر پر سوار ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے بڑی بے مروتی سے جواب دیا تھا۔ وہ اس کی بدتمیزی پر کھول کر رہ گئی تھی۔ نانا ابا اور نانی امی تو لنچ کے بعد ہی سونے کے لیے اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔ وہ لوگ تہجد کے وقت کے اٹھے ہوئے ہوتے تھے اس لیے دوپہر میں سونا لازمی تھا۔ شاہ میر اسے ٹکا سا جواب دے کر جا چکا تھا۔

کچھ دیر تو وہ بھی لیٹ کر سونے کی کوشش کرتی رہی مگر صبح سو کر ہی اتنی دیر سے اٹھی تھی کہ اب نیند ہی نہیں آ رہی تھی اسے ویسے بھی دوپہر میں سونے کی عادت نہیں تھی۔ وہ لوگ تو اب عصر کے وقت ہی اٹھیں گے۔ بواجی اور رحمت کاکا بھی اپنے اپنے کمروں میں ہیں۔ کسی کو پتا بھی نہیں چلے گا اور میں باہر ہو بھی آؤں گی۔ اب کیا یونہی گھر میں بند بیٹھی رہوں۔ وہ بدتمیز سارے زمانے میں سیریں کرتا پھرے اور میں یہاں پڑی سڑوں وہ خود کو اطمینان دلاتی گھر سے نکل آئی تھی۔

باہر بڑا پیارا موسم ہو رہا تھا۔ ایسا لگ رہا تھا کسی بھی لمحے بارش شروع ہو جائے گی اور وہ بے چاری کراچی کی شہری جو بارشوں کو ترستے ہیں خوشی خوشی اس موسم کو انجوائے کر رہی تھی۔ گھر سے ذرا آگے جا کر ہی نانا ابا کے باغات تھے۔ وہ قصداً اس طرف نہیں گئی۔ وہاں کے تمام ہی ملازمین اس سے واقف تھے اور وہ اپنی اس خفیہ سیر کو خفیہ ہی رکھنا چاہتی تھی اسی لیے گھر کے مخالف سمت میں جاتے ہوئے راستے کی طرف بڑھ گئی۔ وہاں آس پاس کوئی اور مکان نہیں تھے۔ نانا ابا کا گھر ان کے باغات اور دور دور تک پھیلی ہریالی اور پہاڑوں کے سوا وہاں اور کچھ نہیں تھا۔ البتہ تھوڑی سے راک کے بعد پھر وہاں بہت سے مکانات تھے۔

[illegible] زیادہ تر مکانات تو یہیں کے ملازمین کے تھے۔ وہ [illegible] سنبھالے ان اونچے نیچے راستوں پر احتیاط [illegible] سے بڑھ رہی تھی۔ فوٹوگرافی اس کا من پسند [illegible] تھا۔ دو چار جگہ رک کر اس نے تصاویر بھی [illegible] لیں۔ اسی دوران بارش شروع ہو گئی تھی۔ وہ کیمرے [illegible] کو اس کے کور میں بند کر کے مزید احتیاط کی خاطر [illegible] چادر میں چھپا کر چلنے لگی۔ یہ جگہیں اور یہاں [illegible] موسم بھی اس کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ ان تمام [illegible] وہ اپنے بچپن سے دیکھتی آئی تھی۔ مگر اس [illegible] پہلی مرتبہ نکلی تھی تب ہی اسے کوئی فکر [illegible] تھی۔ بارش کی شدت میں لحہ بہ لحہ اضافہ ہو رہا [illegible] دن میں اچھا خاصا اندھیرا سا ہو گیا تھا۔ ہوا کی تند [illegible] اس نے اسے سردی کا احساس دلایا تو اسے سوئیٹر [illegible] افسوس ہوا۔ دونوں ہاتھ لپیٹے وہ سردی سے [illegible] کوشش کر رہی تھی۔ چلتے چلتے وہ پتا نہیں کتنی [illegible] آ گئی تھی۔ موسم کے خطرناک تیور دیکھتے ہوئے [illegible] نے واپسی کا فیصلہ کیا ویسے بھی اب اسے نکلے [illegible] ہو چکی تھی۔

[illegible] اونچے درخت ہر طرف پھیلی خاموشی اور [illegible] اسے خوف میں مبتلا کرنے لگے تھے۔ حالانکہ وہ [illegible] لڑکی نہیں تھی مگر اس وقت اکیلے ہونے [illegible] سے اسے ایک دم ڈر لگنے لگا تھا۔ یہ جگہ [illegible] وہ اس وقت کھڑی تھی اس نے اس سے پہلے [illegible] بھی نہیں دیکھی تھی۔ وہاں سوائے بارش کے [illegible] کے کوئی دوسری آواز سنائی نہیں دے [illegible] تھی۔ ابھی وہ واپسی کا سوچ ہی رہی تھی کہ اس [illegible] ایک نسوانی چیخ سی آواز اتنی واضح اور قریب سے [illegible] محسوس ہو رہی تھی کہ وہ اسے اپنا وہم سمجھ [illegible] نہیں سکتی تھی۔ اسے فوراً ہی اپنی تازہ ترین دیکھی [illegible] مووی یاد آ گئی۔ جس میں ایک بدروح یونہی [illegible] میں بسیرا کیے رکھتی ہے اور اسی طرح چیخ کر [illegible] روپ میں لوگوں کو اپنے پاس مدد کے لیے بلاتی [illegible] اور پھر یہ سوچ اس کے رونگٹے کھڑے کرنے [illegible] لیے کافی تھی۔ وہ جلدی سے الٹے قدموں اندھا دھند بھاگی۔ ممی نے ایک مرتبہ ایسا ہی کوئی قصہ سناتے ہوئے بتایا تھا کہ بدروحیں وغیرہ آیت الکرسی پڑھو تو فوراً بھاگ جاتی ہیں۔ اس نے جلدی سے آیت الکرسی پڑھنی شروع کی۔ مگر گھبراہٹ اور ڈر میں اسے آیت الکرسی ہی بھول گئی۔ ہر نماز کے بعد اور رات سونے سے پہلے وہ پابندی سے آیت الکرسی پڑھا کرتی تھی اور اس وقت ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ اسے کبھی یاد تھی ہی نہیں۔

وہ دیوانہ وار بھاگتی اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگ رہی تھی کہ اچانک کسی سے بری طرح ٹکرا گئی۔ اس کے منہ سے ایک طویل و عریض چیخ برآمد ہوئی تھی۔ وہ آنکھیں مضبوطی سے بند کیے سوچ رہی تھی۔

"میری زندگی کا آخری وقت آ گیا۔ ان روحوں کے لیے آگے پیچھے کسی بھی طرف سے آنا مسئلہ نہیں ہوتا۔ ابھی اگر وہ دوبارہ پیچھے کی طرف بھاگوں تو وہ پھر میرے سامنے آ جائے گی۔ اپنے لمبے لمبے دانت میری گردن میں گاڑ دے گی۔"

"کیوں آئی ہو تم اکیلی، دوسروں کو پریشان کرنے کے علاوہ تمہیں کوئی اور کام آتا ہے۔"

شاہ میر کی غصیلی آواز کانوں میں آئی تو اس نے جھٹ آنکھیں کھول دی تھیں۔ وہ سامنے کھڑا اسے خشمگیں نظروں سے گھور رہا تھا۔ معاً اسے خیال آیا کہیں یہ بدروح کی کوئی چال تو نہیں ہو سکتا ہے وہ اسے دھوکا دینے کے لیے شاہ میر کے بھیس میں آئی ہو۔ یہ خیال آنے کی دیر تھی وہ بغیر اس کی بات کا جواب دیے دوبارہ اندھا دھند بھاگنا شروع ہو گئی شاہ میر ایک سیکنڈ کے لیے تو اس کے ابنارمل انداز پر حیران ہوا پھر اس خیال سے کہ کہیں اس طرح بھاگنے سے وہ گر گرا نہ جائے فوراً اس کے پیچھے آیا تھا۔ وہ تیزی سے بھاگنے کے چکر میں سامنے پڑے بڑے سے پتھر سے ٹکرا گئی تھی۔ شاہ میر نے آگے بڑھ کر اسے گرنے سے بچانے کی کوشش کی تھی اور اس کوشش میں خود بھی لڑکھڑا گیا تھا۔

"چھوڑو مجھے تم میر نہیں ہو۔ دیکھو مجھے جانے دو۔

میں نے تو تمہارا کچھ نہیں بگاڑا۔"

"ہائیں۔" وہ ہکا بکا اس کی شکل تک رہا تھا۔

"کیا ہو گیا ہے۔ کچھ دیر پہلے تو تمہیں گھر پر اچھا خاصا چھوڑ کر گیا تھا۔" وہ حیران ہو کر اس کی خوفزدہ شکل دیکھ رہا تھا۔ وہ کھڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ اس کے چہرے پر پھیلے خوف و دہشت کے سائے دیکھ کر اچانک ہی شاہ میر کی سمجھ میں ساری بات آ گئی۔ وہ ہارر اور detective سوریز دیکھنے اور ناولز پڑھنے کی جنون کی حد تک شوقین تھی یہ اور بات تھی کہ خالہ اس کے اس شوق سے سخت ناجز رہا کرتی تھیں۔ جس دن کوئی زیادہ ہی ڈراؤنی فلم دیکھ لیتی سمیرا احمر کے کمرے میں پہنچ جاتی "میں تمہارے کمرے میں سوؤں گی۔" اور اسی بات سے اس کے بھائی اور ممی چڑا کرتے تھے۔ "یا تو دیکھا مت کرو اور اگر دیکھنا اتنا ہی فرض ہے تو ڈرا مت کرو۔" سمیر نے اسے ٹوکا تھا مگر وہ ان دونوں میں سے کچھ بھی نہیں چھوڑ پائی تھی۔

اس کا ڈرنا سمجھ میں آیا تو وہ اپنی مسکراہٹ دباتا ہوا آواز کو قدرے بھاری اور خوفناک بنا کر اس سے بولا۔

"ڈرو مت میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا آؤ میرے ساتھ۔" شاہ میر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لے جانے لگا تو وہ دوبارہ چیخ اٹھی۔

"چھوڑو مجھے۔" وہ اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی مگر ناکام تھی۔ شاہ میر نے غور سے اس کی طرف دیکھا تو اندازہ ہوا اس وقت یہ ہنسی مذاق کہیں اسے مہنگا ہی نہ پڑ جائے اگر وہ بے ہوش ہو گئی تو اس برستی بارش میں اسے گھر تک پہنچانا ایک نہایت مشکل کام ثابت ہو گا۔ اسی لیے فوراً ہی سنجیدگی اختیار کرتا ہوا بولا۔

"کیا ہو گیا ہے ماہین یہ میں ہوں بھئی۔"

"تم واقعی میر ہو۔" وہ اب بھی یقین کرنے میں متامل تھی۔

"ہاں بھئی میں ہوں۔ سو فیصد میں ہی ہوں۔ شاہ میر حسن اب کیا جیب سے اپنا شناختی کارڈ نکال کر دکھاؤں۔" وہ اب کے کچھ چڑ کر بولا تھا۔

"شکر ہے میر تم آ گئے میں ڈر گئی تھی۔" اور اس بات پر وہ بلند و بالا قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"میں نے کہا کہ میں شاہ میر ہوں اور تم نے یقین [illegible] لیا۔ جس طرح چور یہ کبھی نہیں کہتا کہ میں چور [illegible] اسی طرح بھوت بھی یہ کبھی نہیں کہتے کہ ہم بھوت [illegible] ہیں۔" وہ ایک دم اس کا ہاتھ چھوڑ کر دور ہٹ گئی [illegible] اور دوبارہ اسے شک بھری نظروں سے دیکھنے لگی [illegible] اس کے چہرے کی شرارتی مسکراہٹ ماہین کی نظروں سے اوجھل نہ رہ پائی تو وہ اس کا مذاق سمجھ کر [illegible] شرمندگی کے عالم میں دوبارہ چلنا شروع ہو گئی۔

"ڈر کے مارے جان نکلتی ہے اور چلی ہیں اکیلی سیر کرنے زمانے بھر کی بیوقوفانہ حرکتیں کروالو تم سے۔ [illegible] تو اتفاق سے میں اپنے رین شوز لینے آ گیا تھا تو دیکھا محترمہ غائب ہیں۔ بتاؤ اگر میں واپس نہ آتا تو کیا ہوتا۔ سب کتنا پریشان ہوتے۔ تمہیں عقل کب آئے گی۔ اسی لیے میں اکیلا آنا چاہ رہا تھا۔ لے کر میرا بھی سارا پروگرام چوپٹ کروا دیا۔ سارا ٹائم تمہیں ڈھونڈنے خوار ہوتے گزر گیا۔ لگتا ہے تم مجھے یہاں سکون سے چھٹیاں انجوائے نہیں کرنے دو گی۔" وہ اب اس کی کلاس لینا شروع ہو گیا تھا۔

"تو میں اکیلی گھر پر کیا کرتی۔ تم نے ساتھ لے جانے سے منع کر دیا اور نانا ابا اور نانی امی سو گئے میں اتنی بور ہو رہی تھی۔" وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑ کر چلتے ہوئے بولی تو شاہ میر اسے گھور کر دیکھنے لگا۔

"یعنی یہ کہ اپنی غلطی نہیں مانو گی۔ ڈھیٹ لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔ ابھی تو تیاری کو لو نانی امی اور نانا ابا سے پڑنے والی ڈانٹ کے لیے اب تو سب جاگ گئے ہوں گے۔ وہی تمہارا دماغ درست کریں گے۔" وہ اسے دھمکاتا ہوا بولا تھا۔

"میر پلیز میرے پیارے بھائی نہیں ہو۔ دیکھو تم جو کہو گے میں کروں گی۔ پلیز کسی کو بتانا مت۔" وہ منت بھرے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

"نہ پیارا نہ دلارا' میں برا ہی ٹھیک ہوں۔ تم جیسے لاتوں کے بھوت ایسے ٹھیک بھی نہیں ہوتے۔ آج کی

[illegible] ابھی تمہیں ہرگز نہیں چھوڑیں [illegible] بے مروتی سے بولا تھا۔

[illegible] اچھا [illegible] میرا پیارا کزن تمہیں اچھا لگا تھا [illegible] پلیز یور آزمائی ڈیرسٹ اینڈ سوئیٹس [illegible] حرکت کی سنگینی کا احساس اسے خود بھی [illegible] مزاج کے خلاف اس کی منتوں میں [illegible]

[illegible] بالکل بھی نہیں۔ تم نے مجھے سمجھا کیا [illegible] رشوت خور ہوں۔" وہ مزید اکڑ گیا تھا۔

[illegible] نانا ابا اور نانی امی گیٹ کے پاس ہی کھڑے [illegible] ان دونوں کو ساتھ آتا دیکھ کر دونوں نے [illegible] لیا تھا۔

[illegible] کر بھی رہا تھا کہ ماہین میر کے ساتھ ہی گئی [illegible] ہی نہیں رہی تھیں کہہ رہی تھیں کہ میر [illegible] کا پروگرام تھا وہاں ماہین کا کیا کام وہ ضرور [illegible] گئی ہے۔ خود بھی پریشان ہو رہی تھیں اور [illegible] رہی تھیں۔" نانا ابا نے ان دونوں کو [illegible] کر کہا تو وہ چپ چاپ سر جھکا کر رہ گئی۔ اس [illegible] نے تو ویسے بھی صاف صاف انکار کر دیا تھا [illegible] بس اب وہ سب اگل دے گا اور پھر زندگی میں [illegible] مرتبہ نانا ابا اس سے ناراض ہو جائیں گے۔ اسے [illegible] اس طرح گھر سے جانے پر اب افسوس ہو رہا [illegible] مگر اب افسوس کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔

"[illegible] نانا ابا رائیڈنگ کا پروگرام تو تھا بس موسم کی [illegible] سے پروگرام کینسل کرنا پڑا۔" شاہ میر کا جواب [illegible] حیران کر گیا تھا۔ اس سے کسی نیکی کی امید جو [illegible] تھی۔

"ہاں آج بڑے دنوں بعد اتنی موسلا دھار بارش [illegible] ہے۔ ایسے موسم میں تو یہاں رہنے والے بھی احتیاط کرتے ہیں۔" نانا ابا نے شاہ میر کی بات کے [illegible] میں کہا تھا اور پھر خود بخود گفتگو کا رخ بارشوں اور [illegible] کی طرف ہو گیا تھا۔ وہ اپنی جان بچ جانے پر جتنا [illegible] شکر ادا کرتی کم تھا۔

رات کا کھانا کھا کر کچھ دیر سب باتیں کرتے رہے۔ سونے سے پہلے وہ شاہ میر کے کمرے میں آئی تھی۔

"میں نے تمہیں ڈسٹرب تو نہیں کیا۔" وہ دوستانہ انداز میں بولی تھی۔

"اگر کیا بھی ہو تو اب تو آپ اندر آ چکی ہیں۔ فرمایئے کیسے زحمت کی۔" وہ laptop پر کام میں مصروف بولا تھا۔ کمپیوٹر میں اسے بہت انٹرسٹ تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ یہاں بھی اپنا laptop ساتھ لے آیا تھا عام حالات میں ماہین کو اس کی گفتگو کا یہ طنزیہ انداز زہر لگا کرتا تھا مگر اس کی آج کی نیکی کے صدقے وہ اسے نظر انداز کر گئی۔ وہ اسے اگنور کیے اپنے کام میں مصروف تھا۔

"شو ایسے کرتا ہے جیسے سارے جہاں کا بوجھ اس کے کندھوں پر ہے۔" وہ دل ہی دل میں خار کھاتی بظاہر مسکراتے ہوئے اس کے پاس ہی بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"میں تمہارا شکریہ ادا کرنے آئی تھی آئی ایم ریئلی تھینک فل ٹو یو۔" شاہ میر نے سر اٹھا کر بڑی گہری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"یہ ڈرامے بازی مت کرو۔ جو کہنے آئی ہو وہ کہو۔" وہ اس کی چالاکی پر جتنا بھی حیران ہوتی کم تھا۔

"اسے کیسے پتا چلا کہ میں کوئی خاص بات کرنے آئی ہوں۔" ماہین دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔

"تم میرے بارے میں کتنے برے خیالات رکھتے ہو۔ میں کیا اتنی احسان فراموش ہوں کہ ایک تو تم مجھے وہاں سے اتنی بارش میں واپس لے کر آئے میری خاطر رائیڈنگ کے لیے نہیں گئے' نانا ابا سے میری شکایت نہیں کی اور میں پھر بھی تمہیں تھینکس نہ کہوں۔" وہ چہرے پر بڑے معصومانہ تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر نے بجائے اس کی بات کے جواب میں کچھ کہنے کے laptop ایک طرف کر دیا اور بڑی سنجیدگی اور پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ اس کے اس طرح دیکھنے پر کچھ کنفیوز سی ہو گئی۔

"لگتا ہے کوئی بہت ہی خاص بات ہے۔ اگل بھی چکو اب تو میں بھی curiosity میں مبتلا ہونے لگا ہوں۔" ماہین اس کی ذہانت کی قائل ہوتی آخر کار

اصل بات کی طرف آہی گئی۔
"بتانے میر! آج جب تم وہاں آئے تھے میں کس وجہ سے ڈر گئی تھی؟"
"اب یہاں کہانی کھیلا جائے گا۔ مجھے کیا پتا کیوں ڈر گئی تھیں۔ وہ جگہ بھی ایسی نہیں تھی کہ میں کہوں کوئی شیشہ وغیرہ پڑا ہوگا اور اس وجہ سے تم ڈر گئی ہو گی۔ مختصر لفظوں میں اصلی بات بتا دو۔" شاہ میر اس کے انداز پر چڑ کر بولا تھا اور وہ اس کی بات پر غور کیے بغیر بولنے ہی والی تھی کہ ایک دم ٹھٹک کر رک گئی۔
"کیا کہا تم نے میں نے آئینہ میں اپنی شکل دیکھ لی ہو گی۔ یعنی میں اتنی Ugly ہوں میر تم کتنے بدتمیز ہو۔" وہ اس سے بری طرح ناراض ہو گئی تھی۔ اسے اٹھ کر جاتا دیکھ کر وہ ستانے والے انداز میں روکتا ہوا بولا۔
"اچھا جا کہاں رہی ہو، بتاؤ ہوا کیا تھا۔"
"نہیں بتا رہی میں تمہیں کوئی بات۔" وہ دروازے کی طرف بڑھ گئی تھی۔
"بغیر بتائے تمہیں نیند نہیں آئے گی۔ لہٰذا غصہ تھوک دو اور شروع ہو جاؤ۔ یار تمہارے سینس آف ہیومر کو کیا ہو گیا ہے۔ تم اذ جسٹ اے جوک۔" شاہ میر کا انداز صاف مذاق اڑانے والا تھا۔ مگر یہ بات کسی نہ کسی کو بتائے بغیر اسے چین نہیں آتا اور فی الحال دستیاب لوگوں میں سے صرف وہی تھا جس سے وہ یہ بات ڈسکس کر سکتی تھی۔ اس لیے دوبارہ آ کر اس کے سامنے بیٹھ گئی۔
"میں نے وہاں ایک عورت کے چیخنے کی آواز سنی تھی۔" وہ دوبارہ اس وقت کا منظر یاد کر کے جھرجھری لیتے ہوئے بولی تھی۔
"عورت کی چیخ؟" شاہ میر نے تصدیق چاہی تھی۔
"بلیو می میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں اب تم کہو گے کہ مجھے دھوکا ہوا ہو گا۔ مگر میں نے وہ چیخ اپنے پورے ہوش و حواس کے ساتھ سنی تھی۔" وہ اسے یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔
"اتنی سنسان اور ویران جگہ پر کسی عورت کا کیا کام۔ اس جگہ تو میں نے سنا ہے یہاں رہنے والے بھی بہت کم جاتے ہیں۔ لاسٹ ایئر جب میں یہاں آیا تھا رحمت کاکا مجھے بتا رہے تھے کہ اس جگہ کے بارے میں یہاں لوگوں نے الٹی سیدھی بہت سی کہانیاں گھڑ لی ہیں مثلاً" یہ کہ وہاں کوئی بدروح وغیرہ بسیرا کیے ہوئے ہے وغیرہ۔ پچھلے سال وہاں ایک عورت کی لاش ملی تھی اس کے بعد سے لوگوں نے یہ کہانیاں بنا لیں۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے یہ لوگ ایسی باتوں پر بہت یقین رکھتے ہیں۔ لہٰذا اس جگہ کسی عورت کے جانے کے چانسز تو بہت ہی کم ہیں۔ تم خود بتاؤ اگر تمہیں یہ سب پتا ہوتا تم کبھی اس طرف کا رخ کرتیں۔" شاہ میر نے اپنی عادت کے برخلاف بڑی تفصیل سے اسے ساری بات بتائی تھی۔
"اس کا مطلب ہے وہاں واقعی کوئی بدروح رہتی ہے۔" وہ خوفزدہ انداز میں بولی تھی۔
"کم ان ماہین۔ کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو۔ یہ بے چارے سیدھے سادے کم علم لوگ ایسی باتوں پر عقیدہ رکھتے ہیں تمہیں کیا ہو گیا ہے۔" وہ اس کا خوف دور کرنے کے خیال سے بولا تھا۔
"میر تم میری بات کا یقین کر دیا نہ کرو۔ مگر میں بالکل سچ کہہ رہی ہوں۔ میں یہ بات ماننے ہی نہیں لگی کہ مجھے دھوکا ہوا ہو گا۔" وہ اس کے پاس سے اٹھتے ہوئے بولی تھی اور شاہ میر بغیر کوئی جواب دیے دوبارہ laptop سامنے رکھ کر بیٹھ گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ بڑے محتاط قدموں سے چلتا آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا۔ رات ماہین کو جھٹلانے کے باوجود اس کے پریقین انداز نے شاہ میر کو فطری تجسس میں مبتلا کر دیا تھا۔ نانی امی کو مارننگ واک کا بتا کر وہ گھر سے نکل آیا تھا۔ وہ بڑا بہادر اور adventurous تھا۔ ماہین کی طرح اسے بھی detective موویز دیکھنا اور ایسے ناولز پڑھنا بہت پسند تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اگر وہ الیکٹریکل انجینئر نہ بنتا تو یقیناً" ایک پرائیوٹ ڈیٹکٹو تو ضرور بن گیا ہوتا۔ کچھ ہی دور گیا ہو گا کہ اسے اپنے پیچھے کسی کا چلنا محسوس ہوا۔ ریوالور ہاتھ میں لیے وہ پلٹا تھا۔ اسے گھومتا دیکھ کر وہ درخت کے پیچھے چھپ گئی تھی۔ مگر شاہ میر اسے دیکھ چکا تھا۔
"باہر نکل آؤ ماہین! کیا کر رہی ہو تم یہاں پر۔" وہ اس کے سر پر کھڑا پوچھ رہا تھا۔ اور وہ رنگے ہاتھوں پکڑے جانے پر سر جھکائے کھڑی تھی۔
"یو آر جسٹ اسٹوپڈ' ایک دم جاہل ہو۔ کیوں آئی ہو تم یہاں پر۔" وہ دانت پیستا ہوا بولا تھا۔
"میر پلیز میں بھی ساتھ چلوں گی۔" وہ بڑی لجاجت سے کہہ رہی تھی۔
"اور وہاں چیخ چلا کر مجھے بھی مرواؤ گی۔ ہرگز نہیں جاؤ واپس۔" وہ صاف انکار کرتے ہوئے بولا تھا۔
"ٹھیک ہے پھر میں جا کر سب کو بتاؤں گی کہ تم مارننگ واک کا بہانہ بنا کر اصل میں گئے کہاں ہو۔" وہ اسے دھمکی دیتے ہوئے بولی تھی۔
"کل رات ہی چیخ سن کر تو دم نکل گیا تھا۔ فرض کرو اگر آج وہاں سچ مچ کوئی آسیب وغیرہ ہوا تو تم کیا کرو گی۔" شاہ میر نے اپنا انداز گفتگو تبدیل کرتے ہوئے سمجھانے والا انداز اختیار کیا۔
"کل میں mentally prepare نہیں تھی اور دوسرے یہ کہ اکیلی بھی تھی آج تو تم ساتھ ہو۔ مجھے بالکل بھی ڈر نہیں لگ رہا۔" ماہین نے کمال اطمینان سے کندھے اچکاتے ہوئے اپنی بات مکمل کی تو وہ سر پیٹ کر رہ گیا۔
"ماہین میں تمہیں آخری دفعہ وارن کر رہا ہوں کہ واپس چلی جاؤ۔" وہ بڑے خطرناک تیور لیے اسے گھور رہا تھا۔ چونکہ سردیوں کے دن تھے اس لیے ابھی تک بھی روشنی نہیں پھیلی تھی چاروں طرف سناٹے اور خاموشی کا راج تھا۔ عین اسی وقت ان دونوں نے ایک آواز سنی۔ ایسا لگ رہا تھا۔ جیسے کوئی گاڑی یا شاید جیپ کہیں آس پاس ہی آ کر رکی ہے۔ شاہ میر ایک دم چوکنا ہوا تھا۔ اور بڑی برق رفتاری سے اس کا ہاتھ پکڑ کر درخت کی اوٹ میں کھڑا ہو گیا تھا۔ اس افراتفری میں بھی وہ اسے گھورنا نہیں بھولا تھا۔
"اگر تمہاری وجہ سے ہم لوگ کسی مصیبت میں پھنسے تو یاد رکھنا میں تمہیں چھوڑوں گا نہیں۔" اس نے ماہین کے کان کے پاس سرگوشی میں دھمکی دی تھی۔ چہرے پر اعلیٰ درجہ کی بیزاری چھائی ہوئی تھی۔ ماہین کا دل۔۔۔ تیز تیز دھڑکنے لگا تھا۔ بہت سی جاسوسی فلموں کی کہانیاں اس کے ذہن میں گھومنے لگی تھیں۔
"یقیناً" یہ علاقہ کسی بہت بڑے اسمگلروں کے گروہ کا ہیڈ کوارٹر ہے اور انہوں نے جان بوجھ کر اس جگہ کو آسیب زدہ مشہور کروا دیا ہے تاکہ لوگ ادھر کا رخ نہ کریں اور ان کی سرگرمیاں جاری و ساری رہ سکیں۔ میں اور میر ان لوگوں کو گرفتار کروائیں گے پھر اخبارات میں ہماری تصاویر شائع ہوں گی۔ ہمیں شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کیا جائے گا کہ ہم نے ملک دشمنوں کا صفایا کروایا ہے۔ ہو سکتا ہے اگلے ۲۳ مارچ کو مجھے اور میر کو بھی ایوان صدر بلا کر ہماری کارکردگی کی بنیاد پر میڈل سے نوازا جائے۔" وہ خیالوں کی دنیا میں محو پرواز خود کو تمغہ وصول کرتے دیکھ رہی تھی۔
"اور یہ میر کا بچہ کتنا چالاک ہے۔ اس جگہ کے بارے میں' میں نے اسے بتایا اور موصوف سارا کریڈٹ خود لینے کے چکر میں چپکے چپکے اکیلے چلے آئے۔ خیر میں کون سی کم ہوں۔ اس کی رگ رگ سے واقف ہوں۔ پتا تھا مجھے جب تک یہ اپنی آنکھوں سے اس جگہ کا معائنہ نہ کر لے اسے چین نہیں آئے گا۔ اسے اتنی صبح صبح نکلتے دیکھ کر ہی میں سمجھ گئی تھی کہ یہ کہاں جا رہا ہے۔ اب چاہے پیچھے سے نانی امی میرے لیے پریشان ہوں۔ میں اسے اکیلے اتنا بڑا معرکہ سر کرتے تو نہیں دیکھ سکتی۔"
وہ سانس بھی بڑی آہستگی سے لے رہی تھی اور شاہ میر اس کے خیالات سے بے نیاز درخت کی اوٹ لیے پتا نہیں کہاں دیکھ رہا تھا۔ جب دس پندرہ منٹ گزر گئے اور ان لوگوں نے دوبارہ کسی بھی قسم کی کوئی آواز نہیں سنی تو شاہ میر درخت کی اوٹ سے نکل آیا اسے نکلتے دیکھ کر ماہین بھی باہر نکل آئی۔ شاہ میر نے سمت کا اندازہ کر کے چلنا شروع کیا۔ وہ اس کے پیچھے

پیچھے چل رہی تھی۔ تھوڑا سا ڈر بھی لگ رہا تھا مگر بہرحال یہ اطمینان تھا کہ شاہ میر ساتھ ہے۔ اور اس کے ہوتے ماہین کو کبھی ڈر نہیں لگا تھا۔ اسے آج بھی یاد تھا کہ بچپن میں ایک دفعہ جب وہ لوگ پکنک منانے گئے تھے اور وہاں بڑوں کی نظروں سے بچ کر وہ سمندر میں تھوڑا آگے تک چلی گئی تھی۔ سمندر کی تند و تیز لہروں کے آگے وہ اپنا توازن برقرار نہ رکھ پائی اور ڈوبنے لگی تو ساحل پر اس کے دیگر کزنز کے ساتھ کھڑا شاہ میر فوراً آگے بڑھا تھا۔ باقی کسی میں ہمت نہ ہوئی تھی کہ اسے بچالے لیکن شاہ میر نے اسے ڈوبنے سے بچا لیا تھا۔ تمام تر اختلافات کے باوجود ماہین اس کی بہادری کی قائل تھی۔ کل جس جگہ ماہین نے چیخ سنی تھی وہ دونوں اس مقام سے کافی آگے نکل آئے تھے۔ اونچے نیچے ناہموار راستوں پر چلتے وہ دونوں ہی گرد و پیش کا بغور جائزہ لے رہے تھے۔ کافی دور اسے ایک مکان نظر آیا۔ مکان بھی کیا اسے ایک کھنڈر کہنا زیادہ مناسب ہو گا۔ جیسے جیسے وہ اس جگہ سے قریب ہو رہے تھے ویسے ویسے اس کی ہارٹ بیٹ تیز ہو رہی تھی۔ "اسی مکان میں سے اس عورت کی لاش ملی تھی۔" شاہ میر نے شاید جان کر اسے ڈرانے کے لیے یہ بات بتائی تھی۔ اس نے بے اختیار شاہ میر کا ہاتھ پکڑ لیا تھا۔

"ڈر اتنا لگتا ہے اور چلی ہیں جاسوسی فلموں کی ہیروئن بننے، خود بھی مریں گی اور ساتھ مجھے بھی مروائیں گی۔" وہ دھیمی آواز میں بڑبڑایا تھا۔ ذرا اور آگے بڑھے تو اس کھنڈر نما گھر سے کچھ ہی فاصلے پر کھڑی ایک جیپ بھی نظر آ گئی۔ شاہ میر اس کا ہاتھ تھامے اب درختوں کی اوٹ لیے آگے بڑھ رہا تھا۔ جب اس جگہ کے بالکل ہی قریب پہنچ گئے تو شاہ میر پورا کا پورا زمین پر لیٹ کر آگے بڑھنے لگا۔ ماہین نے بھی اس کی تقلید کی تھی۔ ڈرنے کے ساتھ ساتھ ایکسائٹمنٹ بھی ہو رہی تھی۔ شاہ میر نے مکان کی پچھلی طرف کا رخ کیا تو ماہین نے اس کی عقلمندی کی دل ہی دل میں داد دی۔ مکان کی پچھلی طرف پہنچے تو وہاں ایک بند کھڑکی دیکھ کر وہ دونوں ہی خوش ہو گئے۔

ماہین سوچ رہی تھی کہ اتنی ویران اور سنسان جگہ مکان بنانے کی کسی کو ضرورت کیا تھی۔ اس کی حالت دیکھ کر لگتا تھا کہ یہاں برسوں سے کوئی نہیں رہ رہا۔ اس کی خستہ حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ اب گری کہ تب۔ اسی وقت انہوں نے کسی آدمی کے چلانے کی آواز سنی تھی۔ وہ شاید کسی کو مار رہا تھا کم از کم آواز سے تو یہی لگ رہا تھا۔ کسی عورت کے رونے کی آواز بھی صاف سنائی دے رہی تھی۔ شاہ میر نے اسے آنکھوں آنکھوں میں اشارے سے زمین پر یونہی لیٹے رہنے کو کہا اور خود تھوڑا سا اٹھ کر کھڑکی سے اندر جھانکنے لگا۔

اندر تین آدمی کھڑے ہوئے تھے۔ تینوں کے تینوں حلیے سے قبائلی معلوم ہو رہے تھے۔ تینوں کے چہروں پر سخت بے رحم تاثرات رقم تھے۔ باقی دو تو خاموشی سے کھڑے تھے۔ جبکہ تیسرا چیخ چلا رہا تھا پتا نہیں کسے مار رہا تھا۔ غالباً وہ عورت فرش پر پڑی تھی اور وہ اسے پیر سے ٹھوکر مارتا کسی علاقائی زبان میں کچھ بول رہا تھا۔

"کیا بے خود دیکھے جا رہے ہو۔ میں بھی دیکھوں گی۔" ماہین آہستہ سے بولی تھی۔ شاہ میر نے اسے صرف پلٹ کر گھور کر دیکھنے پر اکتفا کیا اور دوبارہ ادھر ہی متوجہ ہو گیا تھا۔ اپنی بات کے جواب میں اس کی لاتعلقی دیکھ کر وہ سخت بدمزہ ہوئی۔

"پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ خود ہی اکیلے اکیلے دیکھے جا رہا ہے۔" وہ اسے دو تین شاندار قسم کی گالیوں سے نوازتی خود بھی تھوڑا سا اٹھ گئی اور اچک کر اندر کا جائزہ لیا۔ اندر موجود ان تینوں آدمیوں کے حلیے دیکھ کر اس کی چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔ بڑی مشکل سے اس نے خود کو سنبھالا تھا۔ ان کی خشونت بھری نگاہیں، بڑی بڑی مونچھیں اور کندھوں سے لٹکتی رائفلیں دیکھ کر اس کے اوسان خطا ہو گئے تھے۔ سارا ایڈونچر کہیں میں ختم ہو گیا تھا اور اب سوائے ڈرنے کے کچھ بھی یاد نہیں آ رہا تھا۔ اب یہ فلم تو تھی نہیں کہ جس سین میں زیادہ ہی ڈر لگے اسے فارورڈ کر دے۔ یا اتنی دیر کے لیے اسکرین پر سے نظریں ہٹالے۔

"مجھے یہاں نہیں آنا چاہیے تھا۔" حسب عادت

ہمیشہ کام کرنے کے بعد افسوس کرنے کا خیال آیا تھا۔ شاہ میر نے اسے آنکھوں آنکھوں میں دوبارہ اسی طرح لیٹ جانے کی تنبیہہ کی اور ابھی وہ اس پر عمل کرنے والی تھی۔ کہ اندر موجود اس آدمی نے جو کسی عورت کو بے دردی سے مار رہا تھا ہاتھ پکڑ کر اٹھایا۔ وہ سولہ سترہ اٹھارہ سال کی کم عمری لڑکی تھی۔ خوف و دہشت سے اس کی آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں وہ تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ابھی ماہین ڈھنگ سے اس لڑکی کا جائزہ لے بھی نہیں پائی تھی کہ اسی آدمی نے اس سے دوبارہ کچھ کہا اور پھر اس کی طرف ریوالور تان کر کھڑا ہو گیا۔ وہ بے چاری ہاتھ باندھے زار و قطار رو رہی تھی۔

"میر کچھ کرو۔ وہ اسے جان سے مار دے گا۔" شاہ میر کا دل چاہا اس کا گلا دبا دے۔ کھڑکی کے پاس کھڑی وہ اس سے بات کر رہی تھی اگر ان میں سے کسی نے دیکھ لیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔ عین اسی لمحے اس آدمی نے اس لڑکی کی طرف فائر کیا تھا۔ شاہ میر نے ماہین کو کھینچ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس کی بے ساختہ چیخ کو دبایا تھا اور اگلے لمحے اسے بڑی بے دردی سے زمین پر دھکا دے دیا تھا۔ اس کی چوٹوں کی پرواہ کیے بغیر دوبارہ وہیں متوجہ ہوا تو اب وہ تینوں آپس میں کچھ بات چیت کرتے نظر آئے۔ لڑکی کو صحیح سلامت دیکھ کر شاہ میر نے سکون کا سانس لیا۔ ویسے اس آدمی کے فائر کرنے کے انداز سے ہی وہ سمجھ گیا تھا کہ اس کا مقصد لڑکی کو مارنا نہیں بلکہ صرف ڈرانا ہے۔ آپس میں دو چار منٹ بات چیت کے بعد وہ دوبارہ لڑکی کی طرف بڑھا تھا اسے بالوں سے پکڑ کر کھینچتے ہوئے اس نے چیخ کر کچھ کہا تھا اور پھر ایک جھٹکے سے چھوڑ دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ بری طرح فرش پر گر پڑی تھی۔

وہ شاید یہاں کسی کی بھی موجودگی کی توقع نہیں کر رہے تھے اس لیے انہیں ان لوگوں کی موجودگی کے بارے میں شک تک نہیں ہوا تھا۔ یعنی وہ اس جگہ کے بارے میں اچھی طرح آگاہ تھے۔ انہیں پتا تھا یہاں لوگ خوف کی وجہ سے آتے ہی نہیں ہیں۔ ان

تینوں کو مڑتا دیکھ کر وہ خود بھی نیچے ہو گیا۔ بھاری قدموں کی آوازوں سے اندازہ ہوا کہ وہ لوگ جا رہے ہیں۔

"یعنی انہوں نے اس لڑکی کو یہاں قید کر رکھا ہے۔" شاہ میر نے خود سے کہا۔ جیپ اسٹارٹ ہونے کی آواز آئی تو وہ دوبارہ وہیں دیکھنے لگا۔ جس طرح اسے فرش پر دھکا دیا گیا تھا وہ ابھی تک اسی حالت میں پڑی سسک سسک کر رو رہی تھی۔ شاہ میر ان لوگوں کے یہاں سے دور چلے جانے کا منتظر بیٹھا تھا۔ جب جیپ کو گئے دس پندرہ منٹ گزر گئے تو وہ کپڑے جھاڑتا پورا کا پورا کھڑا ہو گیا۔ اسے اٹھتا دیکھ کر ماہین بھی اٹھ گئی۔

"تم سے تو میں گھر جا کر بات کروں گا۔ وہ تو قسمت اچھی تھی جو بچ گئے ورنہ تم نے تو آج مروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔" عام حالات میں وہ اس کے اس طرح بات کرنے پر دماغ ٹھکانے لگا دیتی مگر اس وقت اسے زیادہ فکر اس لڑکی کی تھی اس لیے اس کی بات پر دھیان دیے بغیر اندر جھانکا۔ وہ کھنڈر صرف اور صرف اسی ایک کمرے پر مشتمل تھا اور اس کمرے میں واحد یہی کھڑکی تھی۔ کبھی شاید یہاں کوئی شاندار سی کھڑکی رہی ہو گی اب تو صرف دو فٹ چوڑی وہ opening موجود تھی جس میں لوہے کی موٹی موٹی سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ کمرے کا ایک ہی دروازہ یہیں سے نظر آ رہا تھا۔ شاہ میر کو مکان کی اگلی طرف جاتے دیکھ کر وہ بھی اسی طرف آ گئی۔ دروازے پر پڑا موٹا سا تالا ان لوگوں کا منہ چڑا رہا تھا۔ شاہ میر نے تالے کو ہاتھ لگا کر اس کی مضبوطی کا اندازہ کیا۔ ماہین خاموشی سے اس کی کارروائیاں ملاحظہ کر رہی تھی۔ دروازے کو زور سے دھکا دیا تو لوٹے کا دروازہ ٹس سے مس بھی نہ ہوا۔ شاہ میر کچھ دیر تو کھڑا غور و فکر کرتا رہا پھر دوبارہ واپس کھڑکی کی طرف آ گیا۔ ماہین دم چھلا بنی پھر پیچھے پیچھے آ گئی۔ کھڑکی سے اندر دیکھا تو وہ ابھی تک ویسے ہی پڑی ہوئی تھی۔ یہاں تک کہ اس نے کچھ دیر پہلے والی آوازوں تک پر غور نہیں کیا تھا۔ حالانکہ شاہ میر نے دروازہ کو بہت زور سے ٹکر ماری تھی ٹکرا سے پتا

ہی نہیں چلا تھا وہ زور و شور سے رو رہی تھی۔
"پتا نہیں اسے اردو آتی ہوگی یا نہیں۔" شاہ میر سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اسے متوجہ کیسے کرے شاید وہ اس کی بات ہی نہ سمجھے۔ مگر پھر بھی کچھ نہ کچھ تو کرنا ہی تھا۔
"سنو۔" شاہ میر نے با آواز بلند اسے پکارا تھا۔ شاہ میر کے تیسری دفعہ آواز دینے پر اس نے سر اٹھا کر ادھر دیکھا تھا۔ سامنے کھڑے ایک لڑکے اور لڑکی کو دیکھ کر وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ جس قسم کے حالات سے وہ گزر رہی تھی اسے ڈرنا بھی چاہیے تھا۔ اس کے چہرے پر پھیلتے خوف کے سائے دیکھ کر ماہین فوراً بولی۔
"ڈرو مت، ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں۔" پھر خود ہی خیال آنے پر وہ دوبارہ بولی۔
"تمہیں اردو آتی ہے۔" اور جواب میں اس نے خوفزدہ انداز میں گردن ہلا دی تھی۔ اس کے اقرار پر ان دونوں ہی نے سکھ کا سانس لیا تھا ورنہ اس سے بات چیت کیونکر ہو پاتی۔
"دیکھو ڈرو مت، ہمیں اپنا دوست سمجھو اور بتاؤ تمہارے ساتھ کیا ہوا ہے۔ ہم نے ان آدمیوں کو جاتے یہاں سے دیکھا ہے۔ ہم تمہاری مدد کرنا چاہتے ہیں، تمہارے کام آنا چاہتے ہیں۔" ماہین کے کہنے کی دیر تھی وہ دیوانہ وار بھاگتی کھڑکی کے پاس آگئی تھی۔
"مجھے بچالو وہ مجھے مار ڈالیں گے۔" وہ صاف اردو تو نہیں بول رہی تھی مگر ان کے لیے یہ بھی غنیمت تھا۔ ماہین نے اسے بغور دیکھا۔ وہ بلا کی حسین لڑکی تھی۔ اس کے چہرے پر جابجا زخموں کے نشان اس بات کی گواہی تھے کہ اس پر بہت تشدد ہوا ہے۔ اس کے کان کے پاس سے مسلسل خون بہہ رہا تھا۔
"میر جلدی کچھ کرو یہ بہت زخمی ہے۔" ماہین کا دل اس کی حالت دیکھ کر کانپ اٹھا تھا۔
"کیا کروں دروازہ اور تالا دونوں ہی خاصے مضبوط ہیں۔" وہ سوچتا ہوا بولا۔ شاہ میر کو دوبارہ دروازے کی طرف جاتا دیکھ کر وہ اس سے مخاطب ہوئی۔
"فکر مت کرو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔" وہ آنکھوں میں حیرانی اور خوف کے ملے جلے تاثرات لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ دو تین منٹ بعد شاہ میر واپس آتا نظر آیا۔
"میں نے اپنے طور پر کوشش کی ہے مگر کچھ نہیں سکا۔ میں رحمت کاکا کی بیٹی کے گھر جا رہا ہوں۔ ان کا داماد لوہار ہے اس سے تالا توڑنے کے لیے کوئی اوزار لے کر آتا ہوں۔ چلو تم بھی ساتھ ہی چلو۔" وہ ماہین سے مخاطب تھا۔ شاہ میر کے کہنے پر ماہین تسلی دینے والے انداز میں اس لڑکی سے بولی۔
"ڈرنا مت ہم لوگ ابھی آ رہے ہیں۔"
"نہیں مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔ میں مر جاؤں گی۔" وہ شاید یہ سمجھ رہی تھی کہ وہ دونوں اس سے جھوٹ بول کر اسے چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ اس کی خوفزدہ حالت دیکھ کر ماہین بولی۔
"میر تم جاؤ۔ میں یہاں اس کے پاس ہی ہوں۔"
"اور اگر پیچھے سے وہ لوگ دوبارہ آگئے۔" شاہ میر نے اعتراض کیا تھا۔
"نہیں وہ اب شام میں آئیں گے۔ وہ مجھ سے کہہ کر گئے ہیں۔ وہ ابھی نہیں آئیں گے۔" وہ ہر قیمت پر اسے روک لینا چاہتی تھی۔ لڑکی کی حالت کے پیش نظر شاہ میر کو یہ بات ماننی ہی پڑی حالانکہ اسے اس طرح ماہین کو چھوڑ کر جانے پر خاصا اعتراض تھا مگر یہاں ایک انسانی زندگی کو بچانے کا سوال تھا اس لیے خاموشی سے آگے بڑھ گیا۔ شاہ میر انتہائی تیز رفتاری سے جائے اور آئے تب بھی اسے بیس پچیس منٹ ضرور لگیں گے یہ بات ماہین کو اچھی طرح معلوم تھی۔ اس نے سوچا کہ بہتر ہے اس دوران اس لڑکی سے اس کے بارے میں تمام تر تفصیلات معلوم کر لے۔ اس کے استفسار پر اس لڑکی نے روتے بلکتے اپنے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔
اس کا نام میمونہ تھا۔ وہ پنجگور سے آگے ایک گاؤں کی رہنے والی تھی۔ ان کے ہاں جرگہ سسٹم چلا کرتا تھا اور جرگے کا فیصلہ ہی حرف آخر تصور کیا جاتا تھا۔ اس علاقے میں عورتوں کی حیثیت جانوروں سے

کم تھی۔ ایسے حالات میں اس کے بابا نے اسے تعلیم دلوائی تھی۔ وہ خود بھی تھوڑا بہت پڑھے لکھے تھے اور تعلیم کی اہمیت کو سمجھتے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کو اپنے سردار کی بیٹی کے اس طرح تعلیم حاصل کرنے پر خاصا اعتراض ہوا تھا مگر اس کے بابا نے لوگوں کے اعتراض کی چنداں فکر نہیں کی تھی۔
میمونہ کی ماں کا اس کے بچپن میں ہی انتقال ہو گیا تھا۔ اس کے بابا نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی دوسری شادی کرنے کی کی تھی۔ زبیدہ ایک انتہائی چالاک اور مکار عورت تھی۔ مڈل تک تو اس نے پرائیویٹ تعلیم حاصل کی تھی۔ مگر اسکول کے آخری دو سال وہ صحیح طرح پڑھ سکے یہی سوچ کر اس کے بابا نے اسے کوئٹہ کے ایک اسکول میں داخلہ دلوایا تھا۔ یہ دو سال اس نے ہوسٹل میں گزارے تھے۔ اس دوران وہ اپنے گاؤں نہیں گئی تھی زیادہ تر بابا اس سے ملنے آجاتے تھے۔ بابا کی مسلسل گرتی ہوئی صحت دیکھ کر وہ سخت پریشان رہنے لگی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ امتحانوں کے فوراً بعد واپس آگئی۔ واپس آئی تو اسے گھر میں کئی تبدیلیاں محسوس ہوئیں۔ گھر پر زبیدہ اور اس کے دونوں چھوٹے بھائیوں کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا اور بابا اپنی خراب ہوتی صحت کی وجہ سے زیادہ وقت بستر پر رہنے لگے تھے۔ وہاں کوئی باقاعدہ ایم بی بی ایس ڈاکٹرز تو تھے نہیں۔ حکیم ہی سے بابا کا علاج ہو رہا تھا۔ پھر ایک رات جب اس نے زبیدہ کو بابا کے دودھ کے گلاس میں کچھ ملاتے دیکھا تو کانپ کر رہ گئی۔ وہ بری طرح ڈر گئی تھی۔ جب اس نے بھاگ کر ساری بات بابا کو بتائی تو وہ چپ ہو گئے تھے۔
بابا کے لیے یہ انکشاف یقیناً انتہائی دکھ کا باعث تھا مگر اب کچھ بھی کرنے کا وقت گزر چکا تھا۔ وہ اپنی زندگی کے ہاتھوں ایک عورت سے شکست کھا گئے تھے۔ ان کی صحت کا یہ حال تھا کہ وہ بستر سے بغیر کسی سہارے کے اٹھنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ زیادہ دیر کسی سے بات کرتے تو سانس پھولنے لگتی تھی۔ میمونہ پر وہ رات بڑی بھاری گزری تھی۔ وہ کم عمر اور ناسمجھ لڑکی کوئی بھی فیصلہ نہیں کر پا رہی تھی۔ مگر اس رات کی صبح اس سے بھی بھیانک تھی۔ بابا جو شاید ابھی کچھ دن اور جی لیتے اپنے اعتماد اور اعتبار کی دھجیاں بکھرتی دیکھ کر خود بکھر کر رہ گئے۔ جس عورت کو انہوں نے اپنے گھر میں عزت دی اسے سیاہ و سفید کا مالک بنایا اس پر ہر طرح اعتماد کیا وہ یوں ان کے اعتماد کا خون کرے گی یہ بات شاید ان کی برداشت سے بہت زیادہ تھی وہ یہ صدمہ سہہ نہیں پائے اور اس دنیا ہی سے منہ موڑ گئے۔
میمونہ کے لیے دنیا ہی اندھیری ہو گئی تھی۔ بابا کی ناگہانی موت اور آئندہ کا خوف۔ جو اس کے بابا کو ختم کر سکتے تھے ان کے لیے اسے جان سے مارنا تو بہت ہی معمولی سا کام تھا۔ وہ خوف و دہشت میں گھری سوچ رہی تھی کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ ڈر کے مارے اس نے یہ تمام باتیں کسی کو بتائی تک نہیں تھیں۔ بابا کی موت وہاں تمام لوگوں کے لیے دکھ کا باعث تو تھی مگر کسی کو بھی کسی قسم کا کوئی شک نہیں ہوا تھا کیونکہ ان کی طویل بیماری سے سب ہی لوگ آگاہ تھے۔ بظاہر زبیدہ، شہباز اور دلاور کا رویہ اس کے ساتھ بڑا اچھا تھا۔ وہ شاید اسے لاعلم سمجھتے تھے۔ زبیدہ کو بابا کے لیے آنسو بہاتے اور بین کرتے دیکھ کر وہ سکتے کی کیفیت میں بیٹھی سوچ رہی تھی کہ دنیا میں کتنی مکاری ہے۔ پھر جب اس نے زبیدہ اور اس کے بھائیوں کی گفتگو سنی تو اسے ان کے آئندہ کے ارادوں کی خبر ہوئی۔
وہ بابا کی موت کا تیسرا روز تھا۔ بابا کی یاد بہت شدت سے آئی تو وہ اٹھ کر ان کے کمرے میں آگئی۔ برابر والے کمرے سے باتوں کی آواز آئی تو وہ اس طرف متوجہ ہو گئی۔ ان کی باتیں سن کر وہ دھک سے رہ گئی۔ وہ لوگ زبیدہ کے چھوٹے بھائی دلاور کے ساتھ اس کی شادی کا پروگرام طے کر رہے تھے۔ بابا نے دوسری شادی اپنے قبیلے سے باہر کی تھی اور ان کے ہاں کے دستور کے مطابق خاندان سے باہر مرد شادی تو کر سکتے تھے مگر دولت جائیداد میں اس عورت اور اس کے

ہونے والے بچوں کا کوئی حق نہ تھا۔ جائیداد میں حصہ صرف خاندانی بیوی اور اس کے بچوں ہی کو دیا جا سکتا تھا۔ زبیدہ کے اولاد تھی ہی نہیں اور اگر ہوتی بھی تو اسے اور اس کے بچوں کو دولت میں سے کچھ بھی نہیں مل سکتا تھا۔ یوں اب تمام زمینیں اور دولت میمونہ کی ملکیت تھی۔ بابا کا کوئی سگا بھائی بہن بھی نہیں تھا اس لیے دولت کی تقسیم کا بھی کوئی امکان نہیں تھا۔ ان کے لیے میمونہ کی موت نہیں بلکہ اس کے زندگی کی اہمیت تھی۔ بابا کے ہوتے ان کا یہ خواب کبھی پورا نہیں ہو سکتا تھا وہ میمونہ کی شادی یقیناً اپنے قبیلے ہی کے کسی فرد سے کرواتے اور تمام دولت ان لوگوں کے ہاتھ سے نکل جاتی۔

دلاور کو دولت کی چاہ کے ساتھ ساتھ میمونہ ویسے بھی پسند تھی۔ وہ پہلے سے شادی شدہ اور دو بچوں کا باپ تھا۔ یہ تمام باتیں سن کر اس کے رونگٹے کھڑے ہو گئے تھے اپنے باپ کے قاتلوں سے رشتہ استوار کرنے کا تو وہ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔ دلاور کی نظریں تو اسے ہمیشہ ہی سے چبھتی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ کہاں جائے اور کس سے مدد مانگے۔ صبح ہونے پر اس نے اپنے گھر کے سب سے پرانے ملازم کو تمام باتیں بتائیں اور اس سے مدد چاہی تو اس نے اسے تسلی دینے کے ساتھ ساتھ مدد کرنے کا بھی وعدہ کیا۔

وہ تمام باتیں اپنے قابل اعتماد ملازم کو بتا کر پرسکون ہو کر بیٹھی ہی تھی کہ دلاور اور زبیدہ دندناتے ہوئے اس کے کمرے میں گھس آئے۔ پیچھے پیچھے اپنے ملازم کو آتا دیکھ کر وہ ساکت رہ گئی۔ وہ بھی بابا کی طرح دھوکا کھا گئی تھی۔ ان دونوں نے اسے ڈرایا دھمکایا اور کمرہ باہر سے بند کر کے چلے گئے۔ وہ اپنے ہی گھر میں قید کر دی گئی تھی اور کوئی مددگار نہیں تھا۔ رات میں اپنے لیے کھانا لانے والی ملازمہ سے اس نے رو رو کر اور ہاتھ جوڑ کر مدد مانگی پہلے تو وہ بے چاری ڈر کے مارے انکار کرتی رہی پھر آخر میں اس نے یہ کیا کہ جاتے وقت کمرہ کھلا چھوڑ کر چلی گئی۔ اتنا تو اسے اندازہ تھا کہ

وہ لوگ اسے جان سے نہیں ماریں گے اس کی زندگی ان کے لیے بہت قیمتی تھی بصورت دیگر ان کے ہاتھ کچھ نہیں آتا تھا اسی لیے وہ اسی وقت وہاں سے نکل کھڑی ہوئی۔

اس کی قسمت نے یہاں تک اس کا ساتھ دیا تھا کہ وہ گھر سے بھاگنے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ بسوں کے اڈے پر پہنچ کر وہ بغیر سوچے سمجھے ایک بس میں سوار ہو گئی تھی۔ مگر دلاور اور اس کے ساتھی تعاقب کرتے وہاں تک پہنچ گئے اور اسے پکڑ لیا تھا۔ پھر وہاں سے واپس لے جانے کے بجائے وہ لوگ اسے یہاں لے آئے تھے اور مار پیٹ اور تشدد کے ذریعے اسے منہ بند رکھنے اور شادی کی ہامی بھرنے کے لیے مجبور کرنے لگے تھے۔ اس کے مسلسل انکار پر دلاور اور بھی طیش میں آگیا اور اسے وہیں بند کر کے واپس چلا گیا۔ آج اسے یہاں بھوکے پیاسے بند پڑے دوسرا دن تھا۔ خوف و دہشت سے اس کی حالت خراب تھی۔ ابھی بھی وہ مار پیٹ کر شام تک کا وقت دے کر گیا تھا۔ زبیدہ پہلے ہی وہاں یہ بات مشہور کر چکی تھی کہ میمونہ کے بابا نے اپنی زندگی ہی میں اس کا رشتہ دلاور کے ساتھ طے کر دیا تھا۔

اس نوعمر اور حسین لڑکی کی یہ المناک داستان ماہین کی آنکھیں بھی بھگو گئی تھی۔ دنیا میں کتنا ظلم ہے انسان کتنا ظالم ہے۔ وہ کتنی آسانی سے خدا کو بھول جاتا ہے اسے موت کا بھی خوف نہیں رہتا۔ ماہین کو اسے تسلی دینا دنیا کا سب سے مشکل کام محسوس ہوا اسے ایسا کیا کہے کہ اس کے غم کا مداوا ہو سکے۔

شاہ میر کی واپسی جلد ہی ہو گئی تھی اور واپس آتے ہی وہ تالے کے ساتھ مصروف ہو گیا تھا اگلے پانچ منٹ بعد وہ تینوں وہاں سے روانہ ہو گئے تھے۔ میمونہ کی حالت کے پیش نظر شاہ میر گھر سے گاڑی لے کر آیا تھا۔ وہ ماہین کا ہاتھ مضبوطی سے تھامے ڈری سہمی بیٹھی تھی ایسا لگ رہا تھا جیسے اسے ابھی بھی اس بات کا یقین نہیں آ رہا کہ وہ ان ظالموں کے چنگل سے نکل آئی ہے۔ گھر پہنچے تو نانا ابا اور نانی امی ناشتے کی میز پر

بیٹھے ان دونوں کا انتظار کر رہے تھے۔ نانی امی ان دونوں کی لاپروائی پر ایک طویل لیکچر شروع کرنے ہی والی تھیں کہ ان کے ساتھ ایک انجان لڑکی کو دیکھ کر ٹھٹک گئیں۔ نانا ابا بھی میمونہ کو تعجب سے دیکھنے لگے۔ وہ اب ان لوگوں کو حیرت بھری نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"نانا ابا یہ میمونہ ہے۔" شاہ میر نے سنجیدگی سے تعارف کروایا اور پھر ماہین سے بولا۔

"جلدی سے فرسٹ ایڈ بکس لاؤ۔" ماہین اس کے حکم کی تعمیل میں فوراً دوڑی تھی۔ نانا ابا اور نانی امی شاہ میر کا اشارہ سمجھتے ہوئے مزید کچھ پوچھے بغیر خاموش ہو گئے تھے۔ پھر نانی امی کے مشورے پر ماہین اسے اندر روم میں لے گئی اور نانی امی کے ساتھ مل کر اس کے زخموں کی مرہم پٹی کی۔ اس پر اتنی بری طرح تشدد کیا گیا تھا کہ نانی امی بھی کانپ اٹھیں۔ وہ ڈری سہمی اپنی تمام کام ہوتے دیکھ رہی تھیں پھر اسے دودھ پلا کر سونے کا کہہ کر نانی امی اور وہ کمرے سے باہر جانے لگیں تو وہ ماہین کا ہاتھ تھام کر عاجزی سے بولی۔

"مجھے چھوڑ کر مت جائیں۔ مجھے ڈر لگے گا۔" پھر جب تک وہ سو نہیں گئی ماہین اس کے پاس ہی بیٹھی رہی۔ اس دوران شاہ میر نانا ابا اور نانی امی کو کافی کچھ بتا چکا تھا۔ بقیہ باتیں ماہین نے جا کر ان لوگوں کو بتائیں۔

"اس کا مطلب ہے صبح تم مجھ سے جھوٹ بول کر گئے تھے۔" نانی امی نے شاہ میر کو سخت تیوروں سمیت گھورا تو وہ شرمندگی سے سر جھکا کر اقرار میں گردن ہلا گیا۔

"خود گئے تو اسے بھی ساتھ لے گئے۔ جانتے ہو کتنی خطرناک بات ہے۔ خدانخواستہ کچھ اونچ نیچ ہو جاتی تو ہم اس کے ماں باپ کو کیا جواب دیتے۔ میر مجھے تم سے اس بے وقوفی کی توقع نہیں تھی۔" وہ سخت برہم نظر آ رہی تھیں۔

"نانی امی میں اسے لے کر نہیں گیا تھا بلکہ یہ خود میرے پیچھے پیچھے وہاں آ گئی تھی۔ پوچھیں اس سے اب کیسی معصوم شکل بنائے بیٹھی ہے۔" شاہ میر نے بڑی خار بھری نگاہوں سے اسے گھورا تھا۔

"جانتے ہو ایسے لوگ کتنے خطرناک ہوتے ہیں۔ اگر ایسی کوئی بات تمہارے علم میں آ بھی گئی تھی تو دیکھ کر چپ چاپ واپس آ سکتے تھے۔ اپنے نانا ابا کو بتاتے۔ ہم پولیس کے ذریعے بھی یہ مسئلہ حل کروا سکتے تھے۔ خود پہنچنے اور خطرے میں کودنے کی آخر ضرورت کیا تھی۔" نانی امی کا غصہ کسی طور کم نہیں ہو رہا تھا۔

"او ہو اب کیا تم لٹھ لے کر بچوں کے پیچھے پڑ گئی ہو جو ہوا سو ہوا۔ اب بیٹھ کر یہ نہیں کرنا چاہیے تھا اور یوں نہیں ہونا چاہیے تھا کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ اس بچی کا مسئلہ کس طرح حل کیا جائے۔" نانا ابا نے انہیں ٹوکا تو ان کا موڈ مزید خراب ہو گیا۔

"مجھے پرائی مصیبتیں گلے لگانے کا کوئی شوق نہیں ہے۔ آپ اور آپ کے لاڈلے ہی بیٹھ کر بچی کا مسئلہ حل کریں اور تمہاری توماں کو فون پر میں آج ہی کہہ رہی ہوں کہ بلا لو اپنی بیٹی کو واپس ہم سے نہیں سنبھالی جا رہی۔ چلو وہ تو لڑکا ہے۔ کہیں بھی جائے اور کچھ بھی کرے۔ مگر اسے لڑکی ہو کر ذرا بھی کسی بات کا احساس نہیں ہے۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی اندر چلی گئی تھیں۔

"نانا ابا اب کیا ہوگا نانی امی ناراض ہو گئی ہیں۔" ماہین فکرمند ہوئی تھی۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ وقتی غصہ ہے ابھی اتر جائے گا۔ ویسے بیٹا تمہیں اس طرح جانا نہیں چاہیے تھا۔ تمہاری نانی امی ٹھیک کہہ رہی ہیں۔" نانا ابا نے دھیمے انداز میں اسے سمجھایا تھا۔

"سوری نانا ابا۔" وہ پشیمان نظروں سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ شاہ میر اس تمام گفتگو کے دوران خاموش رہا تھا۔

"کیا سوچا ہے تم نے آگے کیا کرنا ہے۔" نانا ابا نے شاہ میر کو مخاطب کیا تو وہ فوراً ہی دو ٹوک انداز میں گویا ہوا۔

"نانی امی بلاوجہ پریشان ہو رہی ہیں۔ اکیلی اور کمزور لڑکی کو دیکھ کر تو ہر کوئی شیر ہو جاتا ہے۔ ایسے کوئی سورما

نہیں وہ لوگ۔ وہ چار روز حوالات میں ہی گزاریں گے تو طبیعت صاف ہو جائے گی۔ پھر ان کے خلاف تو قتل کا کیس بھی بنے گا۔ میں سمجھتا ہوں کہ انسانیت کے ناتے ہمیں ضرور اس لڑکی کی مدد کرنی چاہیے۔ وہ دنیا میں اکیلی ہے اس کا کوئی بھی نہیں ہے۔ اسے پرائی مصیبت کہہ کر جان چھڑا لینا یقیناً کوئی اچھا فعل نہیں ہے۔"

"نانا ابا! میر بالکل ٹھیک کہہ رہا ہے۔ ہمیں اس کی مدد ضرور کرنی چاہیے۔" ماہین بے ساختہ بولی تھی۔

"ٹھیک ہے مجھے تم لوگوں کی بات سے اتفاق ہے لاؤ میں ذرا فون پر ایس ایس پی لغاری سے بات کروں۔" نانا ابا کی بات پر وہ دونوں ہی خوش ہو گئے تھے۔

"جب تک میں فون پر بات کر رہا ہوں تم جا کر اپنی نانی امی کو تو مناؤ۔" نانا ابا کے حکم کی بجا آوری کرتے ہوئے وہ فوراً ہی کھڑی ہو گئی تھی۔ تو منے گھنٹے کی منت سماجت کے بعد نانی امی کا موڈ بحال ہوا تھا۔ وہ بھی اس شرط پر کہ اب جب تک وہ یہاں ہے اکیلی کہیں باہر نہیں جائے گی۔

شام کے وقت میمونہ سو کر اٹھی تھی۔ ماہین اسے دیکھنے آئی تو وہ بستر پر لیٹی خوفزدہ نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہی تھی۔ ماہین نے آگے بڑھ کر لائٹس آن کیں۔

"کیسا محسوس کر رہی ہو طبیعت کچھ بہتر ہوئی۔" ماہین کے استفسار پر اس نے گردن ہلا دی تھی۔

"ایسا کرو تم اٹھ کر منہ ہاتھ دھو لو۔ میں تمہارے لیے کپڑے لاتی ہوں۔" ماہین اسے اشارے سے ہاتھ روم دکھاتی باہر نکل گئی تو وہ باتھ روم میں گھس گئی۔ اپنا بوتل گرین کاٹن کا سوٹ لا کر ماہین نے اسے دیا صرف کپڑے تبدیل کر کے اور بال بنا کر ہی وہ کوئی آسمانی حور نظر آنے لگی تھی۔ ماہین اس کا حسن دیکھ کر مبہوت کھڑی تھی۔ اس کی ہیزل گرین آنکھیں سرخ و سفید رنگت گھٹنوں کو چھوتے دراز بال خدا نے اسے کتنا مکمل بنایا تھا۔ اس کے چہرے کی معصومیت اس کے حسن کو دو آتشہ کر رہی تھی۔ ماہین اس کا ہاتھ تھامے کمرے سے نکلی تو سامنے سے آتا شاہ میر بھی ایک لمحے کو اسے دیکھ کر بے ساختہ رک گیا تھا۔ صبح کے ما جگہ سے پھٹے اور گرد و غبار میں اٹے کپڑوں اور زخمی حالت میں نظر آتی وہ لڑکی اس وقت بالکل ہی مختلف نظر آ رہی تھی۔

"کہاں سے آ رہے ہو۔" ماہین کا تھا نید ارنیوں اندازا سے سخت زہر لگا تھا۔

"تم یہ بلاوجہ کی Inguiries اور Investigations مجھ سے نہ ہی کیا کرو تو بہتر ہے۔" وہ بے مروتی سے جواب دیتا آگے بڑھ گیا تھا۔ ماہین اس کے جواب پر تپتی میمونہ کو ڈائننگ روم میں لے آئی تھی۔ اسے کرسی پر بٹھا کر وہ خود اس کے لیے کھانا نکالنے کچن میں چلی گئی تھی۔ صبح کے مقابلے میں اس وقت اس کی حالت کافی بہتر تھی۔ وہ کھانا کھانے کے ساتھ ساتھ ماہین کی باتوں کے جواب بھی دے رہی تھی۔ نانی امی بھی آ کر وہیں بیٹھ گئیں اور سب کی طرح وہ بھی اس کی خوب صورتی اور معصومیت سے متاثر ہو گئی تھیں۔ نانا ابا کے سمجھانے بجھانے پر وہ ویسے بھی اسے یہاں رکھنے پر تیار ہو چکی تھیں۔ مگر اب جب پاس بیٹھ کر اسے بغور دیکھا اور اس کی باتیں سنیں تو ان کا دل بھی پسیج گیا تھا۔

ایس ایس پی لغاری جو نانا ابا کے گہرے دوست بھی تھے کے مشورے پر شاہ میر اور انسپکٹر عمران سول ڈریس میں جا کر اس مکان کا معائنہ کر آئے تھے وہاں سے فنگر پرنٹس اور سگریٹ کے ٹکڑے اور ایسی ہی دو چار چیزیں بھی اٹھوا لی گئی تھیں۔ پھر اس جگہ سے دور رہتے ہوئے انہوں نے محتاط انداز میں ان لوگوں کے آنے کے انتظار کیا تھا۔ وہ اپنے کیے کے مطابق شام کے وقت آئے تھے اور اسے وہاں موجود نہ پا کر بری طرح بوکھلا گئے تھے۔ آس پاس سادہ لباس میں پولیس والے موجود تھے۔ انسپکٹر عمران کے اشارے پر سب نے چاروں طرف سے مکان کو گھیر لیا تھا۔ وہ تینوں پولیس فورس کو دیکھ کر بری طرح خوفزدہ ہو گئے

[illegible] مقابلے کے ان لوگوں نے گرفتاری دے [illegible] شاہ میر ان سورماؤں سے امید بھی یہی تھی۔ [illegible] اس کے ساتھیوں کی گرفتاری عمل میں آ چکی [illegible] والی نے تھے زیدہ اور شہباز رات میں انسپکٹر [illegible] اور نانا ابا سے میمونہ کا بیان قلم بند کرنے [illegible] طلب کی۔ تو نانا ابا سے پہلے شاہ میر بول [illegible]

[illegible] اس کا بیان یہیں لے لیں۔ وہ سخت خوفزدہ [illegible] نے کے ماحول میں اور ڈر جائے گی۔ ابھی اس [illegible] لوگوں سے آمنا سامنا بھی مناسب نہیں ہے۔ [illegible] اس کی حالت بگڑنے کے خدشہ ہے۔"

"میرا خیال ہے یہی بات مناسب ہے۔ قانونی [illegible] اپنی جگہ۔ مگر ہمیں اس کی ذہنی حالت کے [illegible] ایسا ہی کرنا پڑے گا۔" نانا ابا کی بات پر انسپکٹر [illegible] اچکا کر بولے۔

"ٹھیک ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ مگر بعد میں [illegible] میں تو انہیں لازمی جانا پڑے گا۔"

"وہ بعد میں دیکھی جائے گی۔ فی الحال آپ [illegible] اس کا بیان لے لیں۔" شاہ میر نے کہا تھا۔

"ٹھیک ہے پھر آپ انہیں بلوائیں۔" انسپکٹر [illegible] نے شاہ میر کی بات کا جواب دیا تھا۔ رحمت کاکا [illegible] ماہین کے کمرے میں آ کر میمونہ کو نیچے چلنے کو کہا تو [illegible] جانے کے لیے راضی ہی نہ ہوئی۔ مجبوراً ماہین [illegible] اس کے ساتھ لاؤنج میں آ گئی۔ وہ سہمی سہمی [illegible] سب کو دیکھ رہی تھی۔

"گھبراؤ مت بیٹا۔ انسپکٹر صاحب تم سے کچھ پوچھنا [illegible] ہتے ہیں۔ بس ان کی باتوں کا صحیح صحیح جواب دے [illegible] تم تمہاری سوتیلی ماں اور اس کے بھائیوں کو سزا [illegible] گے۔ انشاء اللہ۔" نانا ابا نے اسے حوصلہ [illegible] کی بھرپور کوشش کی تھی۔ پھر وہ انسپکٹر عمران کے [illegible] سوالات کے جواب دینے بیٹھ گئی۔ درمیان میں وہ کئی [illegible] رو پڑی۔ ہر بار اپنے بابا کے ذکر پر اس کی آواز بھرا [illegible] جاتی تھی۔ اس کا بیان ریکارڈ کرنے کے بعد انسپکٹر [illegible] ان کی روانگی ہوئی تھی۔ جاتے وقت انسپکٹر عمران شاہ میر کو بتا کر گئے تھے کہ مزید تفتیش کی غرض سے وہ کل ہی میمونہ کے گاؤں روانہ ہو رہے ہیں۔ قتل ثابت کرنے کے لیے میمونہ کے بابا کا پوسٹ مارٹم بھی ہونا تھا اس کے علاوہ آس پاس کے لوگوں اور گھریلو ملازمین کے بیانات بھی لینے تھے۔

"قتل ثابت ہو نہ ہو۔ فی الحال تو ان لوگوں کے خلاف میمونہ کو حبس بے جا میں رکھنے اور اس پر شادی کے لیے ناجائز دباؤ ڈالنے اور تشدد کرنے کا کیس تو ہے ہی۔ لہٰذا زبیدہ اور شہباز کی بھی فوراً گرفتاری عمل میں لائی جا سکتی ہے۔" شاہ میر انہیں رخصت کر کے اندر آیا تو سب لوگ لاؤنج ہی میں بیٹھے ہوئے تھے۔

"نانا ابا آپ کے اثر و رسوخ کام میں آ گئے۔ ورنہ یہ تمام کام اتنا آسان نہیں تھا۔ عام آدمی بے چارہ تو صرف ایف آئی آر درج کروانے کے لیے بیسیوں چکر لگاتا ہے۔ تب بھی اکثر ناکامی کا منہ دیکھنا پڑتا ہے۔" شاہ میر بڑی سنجیدگی سے بولا تھا۔ "نانا ابا ایسے لوگوں کو تو سرِعام پھانسی دی جانی چاہیے۔ کتنا ظلم کیا ہے انہوں نے ایک کمزور لڑکی پر۔"

ماہین پرجوش انداز میں بولی تو وہ اس کے انداز پر ہنس پڑے تھے۔ ذرا ذرا سی بات پر جوش میں آ جانا اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر روٹھ جانا اس کی بچپن کی عادت تھی اور وہ اس سے بخوبی آگاہ تھے۔

پورا دن وہ میمونہ کے ساتھ لگی رہی تھی۔ اس کی مسلسل کوششوں ہی کا نتیجہ تھا کہ وہ کافی حد تک نارمل ہو گئی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ وہ صحیح لوگوں کے پاس ہے۔ یہ لوگ اسے دھوکا نہیں دیں گے اس کے ہمدرد ہیں۔ اسی وجہ سے اس کے خوفزدہ انداز میں بھی کمی آ گئی تھی۔ اس کے زخم بھی بتدریج بہتر ہو رہے تھے۔ نانی امی اور بوا جی کے گھریلو ٹوٹکوں کی وجہ سے ڈاکٹر کے پاس جانے کی ضرورت بھی پیش نہیں آئی تھی۔

شاہ میر تو صبح نانا ابا کے ساتھ ہی چلا گیا تھا۔ اسے نانا ابا کے ساتھ ان کے کاروباری امور حل کروانے میں مزہ آتا تھا۔ وہ ان کے تجربوں سے بہت کچھ سیکھ رہا

تھا۔ نانا ابا تو دوپہر کے کھانے کے لیے گھر واپس آگئے تھے مگر شاہ میر نہیں آیا تھا۔ نانی امی انہیں اکیلا دیکھ کر حیران ہوئیں تو وہ بولے۔

"وہ اپنے دوستوں کے ساتھ چلا گیا ہے۔ لنچ انہیں کے ساتھ کرے گا۔"

"اب تم سب کی نظر بچا کر باہر نکلنے کی مت کرنا۔ ایک تو جو کام میر کرے وہ اسے ضرور کرنا ہوتا ہے۔" نانی امی نے اسے مخاطب کیا تو وہ منہ بنا کر بولی۔

"کہیں نہیں جا رہی میں' میں اور میمونہ بیٹھ کر کوئی اچھی سی مووی دیکھیں گے' ڈرائی فروٹس کھائیں گے اور کافی پئیں گے۔ کیوں میمونہ کیسا پروگرام ہے۔" جواب میں اس نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا تھا۔

"تم واقعی اتنا کم بولتی ہو یا یہاں پر کم بول رہی ہو۔" میمونہ کے جواب دینے سے پہلے نانی امی بول پڑی تھیں۔

"تمہارے آگے تو ہر کوئی کم بولتا محسوس ہوتا ہے۔ لڑکیوں کو کم ہی بولنا چاہیے۔"

"بس اب صرف اسی ایک بات کی کسر رہ گئی ہے کہ لڑکیوں کو سانس بھی نہیں لینی چاہیے۔ لڑکی ہونا کیا اتنا بڑا جرم ہے۔ لڑکیوں کو ایسے چلنا چاہیے' ایسے بیٹھنا چاہیے' ایسے کھانا چاہیے ایسے بولنا چاہیے۔ سارے زمانے کے تمام اصول اور ضابطے صرف لڑکیوں ہی پر کیوں لاگو ہوتے ہیں؟" ماہین جل کر بولی تھی۔ نانا ابا اور میمونہ اس کی بات پر مسکرا دیے تھے جبکہ نانی امی نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

"بڑا ظلم ہوتا ہے تم پر' روک ٹوک اور ظلم ہونے پر تو یہ حال ہے کہ مردمار انداز میں جہاں دیکھو چل دیں گی۔ اگر بالکل ہی چھوٹ دے دی جائے تو خدا معلوم کیا گل کھلاؤ گی۔" نانا ابا نے سیز فائر کے طور پر فوراً ہی نانی امی کے ہاتھوں کی پکی نہاری کی تعریف شروع کر دی تھی۔ اور ماہین اپنی متوقع شامت سے بچ گئی تھی۔

شاہ میر کی واپسی مغرب سے کچھ پہلے ہوئی تھی۔ ماہین' میمونہ کو ساتھ لیے لان میں بیٹھی تھی۔ ان دونوں کو یہاں بیٹھا دیکھ کر شاہ میر اسی طرف آگیا تھا۔

"کیسی طبیعت ہے؟" شاہ میر نے دوستانہ انداز میں بے تکلفی سے میمونہ کی خیریت دریافت کی تھی۔

"ٹھیک ہوں۔" وہ آہستگی سے جواب دے کر چپ ہو گئی تھی۔ گھر کے باقی افراد کے مقابلے میں اسے شاہ میر سے بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس ہو رہی تھی۔ شاید یہ اس کے ماحول کا اثر تھا جہاں عورتوں کا غیر مردوں سے سخت پردہ کروایا جاتا ہے۔ شاہ میر ماہین کے برابر والی کرسی گھسیٹ کر خود بھی وہیں بیٹھ گیا۔

"جلدی سے بالکل ٹھیک ہو جاؤ۔ پھر ہم لوگ تمہیں نانا ابا کے باغات کی سیر کرانے لے جائیں گے۔ وہاں جا کر تمہیں بہت مزہ آئے گا۔" شاہ میر پر خلوص انداز میں بولا تھا۔ ماہین اس کے اس طرح یہاں بیٹھنے اور میمونہ سے باتیں کرنے پر سخت متعجب تھی۔ قریبی کزنز کے علاوہ اسے دیگر لڑکیوں سے گھلتے ملتے یا باتیں کرتے ماہین نے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ ماہین اور اس کی ایک دو کزنز کا خیال تھا کہ وہ جان بوجھ کر لڑکیوں میں اپنی اہمیت بڑھانے کے لیے خود کو لیے دیے اور روڈ پوز کرتا ہے۔ لڑکیاں ایسے لڑکوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں شاید اس لیے۔

نانی امی نے ماہین کو آواز دی تو وہ اٹھ کر اندر آگئی۔ انہوں نے اسے نانا ابا کے لیے چائے بنانے کے لیے بلایا تھا۔ نانا ابا کو چائے دے کر وہ واپس لان میں آئی تو اس کا خیال تھا کہ میمونہ وہاں اکیلی بیٹھی ہوگی شاہ میر یقیناً اٹھ کر جا چکا ہوگا۔ مگر یہ دیکھ کر اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی کہ شاہ میر نہ صرف یہ کہ وہاں بیٹھا تھا بلکہ میمونہ سے باتیں بھی کر رہا تھا۔ دونوں باتوں میں مگن تھے میمونہ مسکراتی ہوئی شاہ میر کی کسی بات کا جواب دے رہی تھی۔ ماہین کا پنک کلف لگا سوٹ پہنے وہ بڑی پیاری لگ رہی تھی۔ تازہ تازہ غسل کی تازگی نے اس کی خوب صورتی کو نکھار دیا تھا۔ ہوا سے اڑتے اس کے خوب صورت لمبے بال جنہیں وہ بار بار پیچھے کر کے سر پر دوپٹہ ڈال رہی تھی۔

ماہین کو پتا نہیں ایک دم کیا ہوا تھا اس کا دل چاہا کہ وہ میمونہ کو وہاں سے کہیں غائب کر دے۔ جب وہ لڑکی

وہ اس کے حسن سے اتنی بری طرح متاثر ہے تو شاہ میر؟ اس سے آگے اس سے سوچا ہی نہیں جا سکا۔ وہ تیز قدموں سے چلتی ان لوگوں کے پاس آگئی۔

"آؤ میمونہ تمہیں نانی امی بلا رہی ہیں۔" اس نے میمونہ کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھایا تو وہ فوراً کھڑی ہو گئی۔ شاہ میر خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اندر آ کر وہ میمونہ کو نانی امی کے پاس لے آئی اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کر دیں۔ مگر دل کی بے چینی اپنی جگہ برقرار تھی۔ وہ اپنی کیفیت خود ہی نہیں سمجھ پا رہی تھی۔ اسے شاہ میر کی تین چار ماہ پہلے خاندان کی شادی کی تقریب میں کہی باتیں یاد آ رہی تھیں۔

عماد اور حنا کی مہندی کی تقریب میں جب وہ تمام کزنز اکٹھے ہوئے تھے اور باتوں باتوں میں شاہ میر کو اس کی کسی کلاس فیلو کے حوالے سے چھیڑ رہے تھے تو وہ سب کی چھیڑ چھاڑ کے جواب میں بولا تھا۔

"وہ صرف کلاس فیلو ہے اور بس۔ میری آئیڈیل کو تم لوگ دیکھو گے تو دنگ رہ جاؤ گے۔" وہ مسکراتے ہوئے بولا تھا۔

"اچھا ہم بھی تو سنیں وہ کیسی ہوگی۔" عماد شرارتی انداز میں بولا تھا۔

"اس کی آنکھیں ہیزل گرین ہوں گی گھٹنوں کو چھوتے لمبے سلکی بال ہوں گے' جب وہ مسکرائے گی تو ایسا لگے جیسے ساری کائنات مسکرا رہی ہے۔ جو رنگ پہنے گی ایسا لگے گا کہ بنا ہی اس کے لیے ہے۔ سادہ و معصوم' دھیمے سروں میں بولتی۔ اس کے ہر انداز میں نزاکت اور نفاست ہوگی۔ وہ بس وہ ہوگی۔" شاہ میر خواب ناک لہجے میں بولا تھا اور سب کے بے ساختہ قہقہوں اور مختلف جملوں سے کمرہ گونج اٹھا تھا۔ اس وقت اور سب کی طرح ماہین کو بھی شاہ میر کی بات مذاق ہی محسوس ہوئی تھی اور اس نے اسے انجوائے بھی کیا تھا مگر آج وہ جس طرح بیٹھ کر میمونہ سے باتیں کر رہا تھا یہ اس کا خاصہ ہرگز نہیں تھا۔ نہ ہی وہ اتنا مہمان نواز تھا کہ اسے مہمان سمجھ کر ازراہ تکلف اس کے پاس بیٹھ گیا ہو۔ اس کا کل میمونہ کو دیکھ کر ٹھٹک کر رک جانا بھی اچانک ہی ماہین کو کھلنے لگا تھا۔ میمونہ ہو بہو شاہ میر کے بتائے خیالی پیکر کی عملی تصویر تھی۔

بظاہر سب کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے اور باتیں کرنے کے باوجود وہ اپنی بے کلی اور بے اطمینانی کم نہیں کر پائی تھی۔ آج وہ شاہ میر کے ہر ہر عمل کو بغور دیکھ رہی تھی تو اسے کئی تبدیلیاں محسوس ہو رہی تھیں۔

"روزانہ تو یہ کافی پی کر اور کچھ دیر باتیں کر کے اپنے کمرے میں چلا جاتا ہے آج ابھی تک کیوں بیٹھا ہے۔" وہ دل ہی دل میں سوچ رہی تھی۔ جب سب سونے کے لیے اٹھے تب ہی وہ بھی کھڑا ہوا تھا۔ سونے کے لیے لیٹی تو نیند آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ دل ایک دم اتنا اداس ہو رہا تھا۔ اپنے برابر لیٹی میمونہ کو وہ کتنی ہی دیر تک بغور دیکھتی رہی تھی۔ صبح وہ معمول کے برخلاف جلدی سو کر اٹھ گئی تھی۔ منہ ہاتھ دھو کر نیچے آئی تو سب لوگ ناشتے کی میز پر موجود تھے۔

"نانا ابا آج کیا تاریخ ہے؟" شاہ میر نے ایک شرارتی نگاہ اس پر ڈال کر بڑی سنجیدگی سے دریافت کیا تھا۔

"20 تاریخ ہے۔ کیوں تمہیں اچانک تاریخ کا کیوں خیال آیا۔" نانا ابا نے حیرت سے پوچھا تھا۔ ماہین اس کا طنز سمجھ چکی تھی اسی لیے بغیر اس کی گفتگو پر کوئی دھیان دیے آملیٹ کے ساتھ انصاف کرنے لگی۔

"بس ویسے ہی مجھے لگا آج شاید کوئی خاص دن ہے۔" نانا ابا اس کی بات کا مطلب سمجھ کر ہنس پڑے تھے۔

"ویری فنی۔" وہ حسب عادت چڑ گئی تھی اور شاہ میر بیٹھا مسکراتا ہوا اسے مزید چڑا رہا تھا۔

"صحیح تو کہہ رہا ہے وہ اتنی دیر تک سونا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ چھٹیاں ہیں تو کیا ہوا اب اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ بندہ گیارہ گیارہ بجے تک پڑا سوتا رہے۔ رات کو جلدی سویا کرو تاکہ صبح وقت پر آنکھ کھلے۔ پھر میں بھی روزانہ اتنی آوازیں دیتی ہوں

کر تم لس سے مس نہیں ہوتیں۔" نانی امی اپنے من پسند موضوع یعنی اس کی عادتیں سدھارنے کی طرف متوجہ ہو گئی تھیں۔

"قبر میں بھی سب سے پہلے نماز ہی کے بارے میں باز پرس ہو گی۔ ہے ناں نانی امی۔" وہ معصومیت سے دریافت کرتا ماہین کو سخت برا لگا۔ اس کا دل چاہا سامنے پڑی فروٹ باسکٹ اس کے سر پر دے مارے۔

"کیا صبح ہی صبح سب میری بچی کے پیچھے پڑ گئے ہیں۔" نانا ابا نے خفگی سے شاہ میر کی طرف دیکھا تھا۔

شاہ میر کو ناشتے کے بعد گھر پر ہی موجود دیکھ کر اسے خاصا تعجب ہوا تھا۔ وہ تو کراچی میں بھی گھر پر کم ہی ٹکا کرتا تھا۔ خالہ کو سب سے زیادہ اس سے اسی بات کی شکایت تھی کہ گھر کو ہوٹل سمجھ رکھا ہے۔ صرف سونے کے لیے گھر آتا ہے باقی سارا دن پتا نہیں کہاں کہاں کی خاک چھانتا ہے۔ وہ خفا ہوتیں۔ امی نے شاہ میر سے کچھ پوچھا تو نہیں البتہ حیران ضرور تھی۔

وہ لاؤنج میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھنے لگی جبکہ شاہ میر وہیں صوفے پر بیٹھا اخبار پڑھ رہا تھا۔ سردی کی شدت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا۔ وہ سوئٹر کے اوپر شال لپیٹے بیٹھی تھی۔ اسے ہیٹر آن ہونے کے باوجود بھی سردی لگ رہی تھی۔ میمونہ، نانی امی کے ساتھ کچن میں تھی اور کچن کیونکہ اس کی ناپسندیدہ جگہوں میں سر فہرست تھا اس لیے وہ لاؤنج میں آ کر بیٹھ گئی تھی۔

"میمونہ کہاں ہے۔" شاہ میر نے اخبار سے نظریں ہٹا کر اسے مخاطب کیا تھا۔

"گھر میں ہی ہے۔" وہ لاپروائی سے جواب دے کر ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ شاہ میر ایک نظر اس پر ڈال کر کھڑا ہو گیا تھا۔ کچھ دیر بعد شاہ میر کی کچن سے آتی چہکتی ہوئی آواز سن کر اس کا موڈ بری طرح آف ہو گیا تھا۔ کچھ دیر تو وہ خود کو لاتعلق ظاہر کر کے یونہی لیٹی رہی۔ مگر یہ لاتعلقی صرف پانچ منٹ ہی برقرار رہ پائی تھی۔ اٹھ کر کچن کی طرف آئی تو شاہ میر کچن میں موجود ٹیبل پر نانی امی کے ساتھ ہی بیٹھا ہوا تھا۔ نانی امی سبزی کاٹ رہی تھیں اور وہ ان میں سے گاجریں اٹھا اٹھا کر کھا رہا تھا۔ میمونہ چولہے کے آگے کھڑی [illegible] رہی تھی۔

"نانی امی آپ مہمان سے کام کروا رہی ہیں۔" ماہین ان کے برابر میں بیٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"میں نے تو منع کیا تھا۔ مگر یہ کہنے لگی کہ مجھ سے فارغ نہیں بیٹھا جا رہا۔" نانی امی نے جواب دیا تھا۔

"اب ضروری تو نہیں کہ دنیا کا ہر آدمی ہی کام چور اور نکما ہو گا۔ بواجی میرے لیے میٹھے میں کچھ ضرور پکائیے گا۔" شاہ میر پہلے نانی امی اور بعد میں بواجی سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ ہمیشہ ہی ماہین کو چڑانے کے لیے اس قسم کی باتیں کیا کرتا تھا اور ماہین خود کون سی کم تھی۔ ہمیشہ اس کی باتوں کا ٹھیک ٹھاک جواب دیا کرتی تھی۔ مگر آج پتا نہیں کیا ہو رہا تھا اس سے شاہ میر کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا گیا۔ اسے ایسا لگا جیسے شاہ میر اسے چڑانے کے لیے نہیں بلکہ اس کی انسلٹ کرنے کے لیے اس قسم کی باتیں کر رہا ہے۔ اچانک ہی اس کا دل وہاں سے بھاگ جانے کو چاہا۔ اسے چپ چاپ اٹھ کر جاتا دیکھ کر نانی امی نے تشویش سے اس کی طرف دیکھا تھا۔

"بری بات ہے میر! تم ہر وقت اسے تنگ کرتے رہتے ہو۔ دیکھو ذرا وہ ناراض ہو کر چلی گئی ہے۔" اوپر سے وہ لاکھ اسے ڈانٹتی ڈپٹتی رہتی تھیں مگر تھی وہ ان کی بھی بہت لاڈلی۔

"ناراض وراض ہو کر نہیں گئی ہے۔ آپ کو پتا نہیں ہے کیا کہ کچن میں وہ صرف اس وقت جاتی ہے جب اسے بھوک لگتی ہے یا خالہ کی ڈانٹ اسے وہاں پہنچاتی ہے۔ اس سے زیادہ دیر وہ کچن میں ٹھہر ہی نہیں سکتی۔" شاہ میر نے بے فکری سے جواب دیا تھا۔ نانی امی تھوڑی دیر بعد ہی اسے دیکھنے آئی تھیں اور ان کی اپنے لیے تشویش دیکھ کر اس کا موڈ ٹھیک ہو گیا تھا۔

کھانے کی میز پر بیٹھا وہ بڑے ذوق و شوق سے میمونہ کے ہاتھوں کا پکا کڑھائی گوشت کھا رہا تھا۔

"سچ بتاؤ یہ تم نے ہی پکایا ہے۔" ماہین کو وہ بلاوجہ کی تعریفیں کرتا ایک آنکھ نہیں بھا رہا تھا۔ خود اس نے

کڑھائی گوشت کو ہاتھ بھی نہیں لگایا تھا۔ نانا ابا بھی میمونہ کے پکائے سالن کی تعریف کر رہے تھے۔ وہ مسکراتی ہوئی سب کی داد سمیٹ رہی تھی۔ باقی سب تو آپس کی نارمل بات چیت ہو رہی تھی مگر شاہ میر سے اس کا بات کرنے کا دل ہی نہیں چاہ رہا تھا۔ وہ پتا نہیں اتنا خوش کس بات پر تھا۔ مسکراہٹ چہرے سے نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ بعد میں کچن میں جا کر اس نے تھوڑا سا سالن چکھ کر دیکھا تھا۔

"اتنا بھی کوئی خاص نہیں پکا۔" اس کے دل نے کہا اور اپنی اس سوچ پر وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی تھی۔

بواجی رات کے کھانے کا اہتمام کر رہی تھیں۔ وہ اور نانی امی آتش دان کے پاس بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ شاہ میر کہیں باہر گیا ہوا تھا۔ ماہین کو کچن میں آتا دیکھ کر وہ پرشفقت انداز میں مسکرائی تھیں۔

"کچھ چاہیے بیٹا۔"

"نہیں بس ویسے ہی بوریت ہو رہی تھی۔" وہ وہیں کھڑی ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔

"کیا پکا رہی ہیں۔"

"شاہ میر کے لیے پکا رہی ہوں۔ پتا نہیں تم لوگ اسے کیا کہتے ہو۔ مجھ سے تو نہ یہ چیزیں پکائی جاتی ہیں نہ کھائی جاتی ہیں۔ پتا نہیں تم لوگ یہ کیسے اتنے شوق سے کھاتے ہو۔"

وہ سامنے رکھے پاستا کے پیکٹ کی طرف اشارہ کر کے بولی تھیں۔

"آپ نہیں میں پکا دوں۔" بواجی کی حیران شکل اسے بری طرح شرمندہ کر گئی تھی۔ اسے اندازہ ہوا کہ اور سب کی طرح بواجی بھی اسے کام چور اور پھوہڑ سمجھتی ہیں۔ اس نے بڑے دل سے اور خوب اہتمام کے ساتھ پاستا بنایا تھا۔ کچن سے فارغ ہو کر نکلی تو لاؤنج میں شاہ میر بھی بیٹھا ہوا تھا۔

"کہاں تھیں ڈیئر کزن۔" وہ اسے کچن سے نکلتا دیکھ چکا تھا، ماہین کو اچھی طرح معلوم تھا۔

"کچن میں تھی۔" وہ مختصر جواب دے کر چپ ہو گئی تھی۔ اسے معلوم تھا پاستا شاہ میر کی فرمائش پر بنا ہے۔ وہ اٹالین، فرنچ اور چائنیز کھانوں کا دیوانہ تھا۔ اسے پلیٹ میں کڑھائی گوشت ڈالتا دیکھ کر نانی امی نے ٹوکا تھا۔

"پاستا لو ناں۔ میں نے خاص طور سے تمہاری وجہ سے بنوایا ہے۔"

"نانی امی اس سالن کے آگے کوئی اور چیز کھانے کا دل نہیں چاہ رہا۔" وہ منہ میں پانی بھر کر بولا تھا۔

"ویسے بھی بواجی میری پسند کے کھانوں کی اتنی بری طرح ریڑھ لگاتی ہیں۔"

"تم چکھ کر دیکھو۔ پاستا اچھا بنا ہے۔" نانا ابا نے جواباً کہا تھا۔ مگر وہ انکار میں سر ہلاتا سالن کھانے لگا تھا۔ کھانے کے فوراً بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی تھی۔ نیچے محفل جمی ہوئی تھی۔ سب کی ہنسی مذاق اور باتوں کی آوازیں آ رہی تھیں۔ سب سے نمایاں آواز شاہ میر کی تھی۔ اچانک اس کا دل بہت سا رونے کو چاہنے لگا تھا۔ وہ کتنی ہی دیر تکیے میں منہ چھپائے روتی رہی تھی۔ اپنی یہ تمام کیفیت خود اس کے لیے بڑی اجنبی تھی۔ اسے نہیں پتا تھا کہ اسے کیا ہو رہا ہے۔ مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی اس سے اس کی سب سے قیمتی چیز چھین رہا ہو۔ دل ڈوبتا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"کاش میں اس روز سب سے چھپ کر اکیلی نہ نکلی ہوتی۔" بے اختیار اس نے سوچا تھا۔

"کاش میں نے شاہ میر کو کسی عورت کے چیخنے والی بات نہ بتائی ہوتی۔" — اس کے ذہن میں کئی کاش چکرا رہے تھے۔ اپنی اس سوچ پر اسے ندامت بھی ہو رہی تھی۔ اگر ہم لوگ وہاں نہ پہنچتے تو میمونہ کا کیا ہوتا۔ وہ بے قصور اور معصوم لڑکی ان ظالموں کے شکنجے سے کیونکر نکل پاتی۔ ایک طرف اسے میمونہ سے ہمدردی ہو رہی تھی اور دوسری طرف وہ اسے سخت بری لگ رہی تھی۔

"باجی آپ اتنی جلدی سونے لیٹ گئیں۔ نیچے سب کے ساتھ اتنا مزہ آ رہا تھا۔ میر بھائی اتنی مزے مزے کی باتیں کر رہے تھے۔ میرا تو ہنس ہنس کر برا حال ہو گیا۔" میمونہ نے اسے تکیے میں منہ دیے پڑے دیکھ

کر کہا تھا۔ ماہین کا اس سے بات کرنے کا بالکل بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔
"میر بھائی۔" ماہین کو اس کا طرز تخاطب بھی زہر لگا تھا۔ اسے کس نے حق دیا ہے کہ یہ شاہ میر کو میر کہے۔ شاہ میر کو میر کہنا سب سے پہلے ماہین ہی نے شروع کیا تھا۔ بعد میں رفتہ رفتہ گھر والے اور نانا ابا، نانی امی وغیرہ بھی اسے میر ہی کہنے لگے تھے وہ اکثر اسے چھیڑنے کے لیے "سرہانے میر کے آہستہ بولو" یا میر کا کوئی اور مصرعہ گنگنایا کرتی تھی۔
اپنی بات کا جواب نہ پا کر وہ سمجھی کہ شاید ماہین سو چکی ہے اس لیے خود بھی خاموشی سے اس کے برابر میں لیٹ گئی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سو چکی تھی۔ ماہین نے اس کی طرف دیکھا تو اس کے چہرے پر چھائی معصومیت اسے اپنی دن بھر کی تمام سوچوں پر بری طرح شرمسار کر گئی۔
"کتنی دکھی اور تنہا ہے یہ لڑکی اس کا دنیا میں کوئی نہیں اور میں کتنی چھوٹی سوچ ہے میری۔" وہ خود کو سرزنش کر رہی تھی۔ اس نے خود سے عہد کیا کہ وہ جو کچھ بھی وہ فیل کر رہی ہے اگر ویسا ہے بھی تو بھی اسے میمونہ کے ساتھ اپنا رویہ اچھا ہی رکھنا ہے۔ مگر خود سے کیے اس عہد سے وہ صبح صبح ہی پھر گئی۔
صبح اس کی آنکھ سات بجے کھلی حسب معمول فجر کی نماز قضا ہو چکی تھی۔ خود کو لعنت ملامت کرتی وہ قضا پڑھنے کھڑی ہو گئی۔ نماز سے فارغ ہو کر وہ میمونہ کو دیکھنے کمرے سے باہر نکلی۔ یقیناً اس نے اسے نماز کے لیے اٹھایا ہوگا اور وہ اٹھی نہیں ہوگی۔ ماہین نے سوچا۔ میمونہ نے اسے بتایا تھا کہ ان کے ہاں صبح سویرے اٹھا جایا جاتا ہے اور اسے بھی نماز پڑھ کر دوبارہ نیند نہیں آتی۔ اس نے گھر کا کونا کونا چھان لیا مگر میمونہ نہیں ملی تو وہ پریشان ہو گئی۔
"نانی امی پتا نہیں میمونہ کہاں چلی گئی ہے۔" تخت پر بیٹھی قرآن شریف پڑھتی نانی امی کو اس نے بڑے گھبرائے ہوئے انداز میں اطلاع دی تھی۔ جواب میں نانی امی نے بڑے اطمینان کا مظاہرہ کیا تھا۔
"تمہارے نانا ابا اور میر اسے اپنے ساتھ واک کے لیے لے گئے ہیں۔" نانا ابا نے اسے بھی کئی بار کہا تھا کہ وہ صبح ان لوگوں کے ساتھ واک کے لیے جایا کرے مگر اس سے جلدی اٹھا ہی نہیں جاتا تھا۔ وہ چپ چاپ نانی امی کے پاس ہی بیٹھ گئی۔
"اٹھ ہی گئی ہو تو جا کر بواجی کا تھوڑا ہاتھ بٹا دو۔ بے چاری اکیلی لگی ہیں۔" نانی امی کے ٹوکنے پر وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی تھی اور ناشتے کی تیاری میں بواجی کی مدد کروانے لگی تھی۔ شاہ میر اور میمونہ کو ایک ساتھ لاؤنج میں داخل ہوتا دیکھ کر اس کے دل کو جیسے کسی نے مسل دیا تھا۔ دونوں ایک ساتھ کتنے خوش لگ رہے تھے۔
"نانا ابا کو ان کے دوست مل گئے تھے۔ ہم لوگ اسی لیے پہلے آ گئے۔" وہ نانی امی کو جواب دیتا وہیں بیٹھ گیا تھا۔ بواجی کے ساتھ مل کر اسے ناشتا لگاتے دیکھ کر وہ معنی خیز انداز میں مسکرایا تھا۔
"لگتا ہے اب کی بار آپ لوگوں کو یہاں سے گھر بنا کر ہی بھیجیں گی۔" وہ اسے سنانے کے لیے زور سے بولا تھا۔ جواب میں نانی امی بے ساختہ مسکرا دی تھیں جبکہ وہ بدستور سنجیدگی سے اپنا کام کرتی رہی تھی۔
زبیدہ اور شہباز بھی گرفتار کیے جا چکے تھے۔ پوسٹ مارٹم کی رپورٹ سے یہ بات بھی ثابت ہو چکی تھی کہ میمونہ کے بابا کو کافی عرصے سے سلو پوائزننگ کی جا رہی تھی۔
ماہین کے خیال سے میمونہ کا مسئلہ حل ہو چکا تھا اور اب اسے واپس اپنے گاؤں چلے جانا چاہیے تھا۔ اپنی اس سوچ پر اسے ایک پل کے لیے شرمندگی بھی ہوئی تھی مگر وہ نانی امی سے یہ بات کیے بنا رہ بھی نہیں پائی تھی۔ نانی امی نے اس کی بات سن کر بڑی حیرت سے اس کی طرف دیکھا تھا۔
"ایسے کیسے اکیلی بچی کو وہاں بھیج دیں۔ بے چاری کا وہاں اب ہے ہی کون۔" انہوں نے سنجیدگی سے کہا تھا۔
"تو کیا اب یہ مستقل یہیں رہے گی۔ کبھی واپ

...ں نہیں۔" وہ اپنی بات پر قائم تھی۔
"...بات تو یہ ہے کہ اب مجھے بھی اس بچی سے ...انسیت ہو گئی ہے۔ ہم دونوں ویسے بھی یہاں ...تنہا ہو جاتے ہیں۔ تم لوگوں کے جانے کے ...اس کے ہونے سے گھر میں رونق رہے گی۔ دولت ...بری چیز ہے۔ اس کی دولت، کم عمری اور ...سے کوئی بھی فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ کوئی اچھا ...کر اس کی شادی کر دیں گے جسے اس کی دولت ...لالچ نہ ہو۔ پھر یہ آرام سے اپنے شوہر کے ساتھ ...گاؤں جائے، اپنی زمینوں کی دیکھ بھال کرے۔ ...اس کا یہیں رہنا مناسب ہے۔" نانی امی نے ...جواب دیا تھا۔ نانا ابا اپنے کسی کام سے شاہ میر کو ...بھیج رہے تھے۔ نکلتے وقت نانی امی نے اسے ...لمبی چوڑی لسٹ پکڑا کر کہا تھا۔
"...چیزیں وہاں سے منگوانی ہیں یاد سے لے آنا ...کے لیے چار پانچ ریڈی میڈ سوٹ بھی لے لینا۔ ...کی وجہ سے میں تو بازار جا نہیں پا رہی۔ فی الحال ...کپڑوں سے کام چلا لے گی۔ پھر بعد میں اسے ساتھ ...جا کر اس کی پسند کے کپڑے دلوا لاؤں گی۔" شاہ ...منہ بنائے بڑے اطمینان سے لسٹ لے لی ...ماہین بظاہر میمونہ کے ساتھ باتوں میں مصروف ...مگر دھیان سارا اسی کی طرف تھا۔ اسے تو خالہ یا ...کو شاپنگ پر لے جانا سخت برا لگا کرتا تھا اکثر ...صاف انکار کر دیا کرتا تھا۔
"بھئی مجھے یہ خواتین کی شاپنگ سخت زہر لگتی ہے۔ مجھے تو آپ لوگ معاف ہی رکھیں۔" اور آج وہ ...آرام سے بغیر کوئی اعتراض کیے چلا گیا تھا۔
رات تقریباً نو بجے اس کی واپسی ہوئی تھی۔ پورچ میں گاڑی رکنے کی آواز سے ہی وہ سمجھ گئی تھی کہ شاہ میر آ گیا ہے۔ ہاتھ میں تین چار شاپرز اٹھائے وہ اندر داخل ہوا تھا۔
"میر بھائی آ گئے۔" میمونہ خوشی سے بھرپور لہجے میں بولی تھی۔ ماہین اور وہ دونوں کچن میں مصروف تھیں۔ بواجی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے آج
سارا کام ان دونوں ہی نے مل کر کیا تھا۔ میمونہ سارا کام چھوڑ چھاڑ باہر بھاگی تھی۔ ماہین خاموشی سے کھڑی اس کا بے تابانہ انداز دیکھ رہی تھی۔
"آپ کے بغیر اتنی بوریت ہو رہی تھی۔ میں ماہین باجی سے بھی یہی کہہ رہی تھی کہ میر بھائی نہیں ہیں تو گھر میں کتنا سناٹا ہو رہا ہے۔" وہ لاؤنج میں میر کے پاس کھڑی تھی۔ خوشی اور سرشاری اس کے ہر ہر انداز سے ظاہر تھی۔ شاہ میر اس کے انداز پر ہنس پڑا تھا۔
"چلو اس طرح مجھے اپنی اہمیت پتا چل گئی۔ اچھا یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لایا ہوں۔" وہ صوفے پر پھیل کر بیٹھتا ہوا بولا تھا۔ میمونہ بھی خوشی خوشی سامنے فلور کشن پر بیٹھ گئی تھی شاہ میر نے شاپر اس کے ہاتھ میں پکڑا دیا۔ وہ ایک ایک کر کے تمام سوٹ بڑے شوق سے دیکھ رہی تھی۔
"بھئی یہ سب سوٹ تو نانی امی نے منگوائے ہیں۔ تمہیں پسند آئیں گے یا نہیں یہ مجھے نہیں پتا۔ البتہ یہ سوٹ میری طرف سے تمہارے لیے گفٹ ہے اور یہ تمہیں یقیناً پسند آئے گا۔" وہ ایک ڈبا کھول کر اس کے سامنے رکھتے ہوئے بولا اندر بلیک کلر کا بے حد خوب صورت اور دیدہ زیب سوٹ رکھا ماہین کو دور ہی سے نظر آ گیا تھا۔
"بہت اچھا ہے۔ بہت پیارا ہے۔ مجھے یہ رنگ بہت اچھا لگتا ہے۔" وہ سوٹ نکال کر دیکھنے لگی تھی۔
"میں ماہین باجی کو دکھا کر آتی ہوں۔" وہ سوٹ ہاتھ میں لیے کچن کی طرف آئی تھی۔ اسے اس طرف آتا دیکھ کر وہ جلدی سے اوون کی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔
"دیکھیں ماہین باجی! میر بھائی میرے لیے کتنا پیارا جوڑا لائے ہیں۔" وہ دیدہ زیب رنگوں سے کڑھے اس اسٹائلش سوٹ کو اس کے سامنے کرتے ہوئے بولی۔
"بہت پیارا ہے اور یہ کلر تمہارے اوپر اچھا بھی بہت لگے گا۔" وہ زبردستی مسکرائی تھی۔ شاہ میر نے اسے آج تک کبھی تحفے میں کچھ نہ دیا تھا۔ وہ سب کزنز آپس میں عید پر، ایک دوسرے کی سالگرہ یا کسی اور کامیابی پر گفٹس کا تبادلہ کیا کرتے تھے مگر شاہ میر نے

اسے کبھی کسی موقع پر کچھ نہ دیا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ ان دونوں کی آپس میں کبھی بنی ہی نہیں تھی۔ ماہین نے پھر بھی ایک دو بار اسے گفٹ دیا تھا مگر شاہ میر نے ایسی زحمت کبھی نہ کی تھی۔ یہ بات آج سے پہلے اس نے کبھی محسوس بھی نہیں کی تھی کہ وہ اور سب کو تو کبھی نہ کبھی گفٹ اور کارڈ دے دیا کرتا ہے مگر اسے نہیں۔ آج یہ بات اسے بڑی شدت سے محسوس ہوئی تھی۔

رات کے کھانے کے بعد شاہ میر نے نانی امی کو ان کی مطلوبہ تمام اشیاء کے شاپرز پکڑائے تھے۔ نانی امی نے بھی اس کے لائے کپڑوں کی بے حد تعریف کی تھی۔

"میں نے کہہ تو دیا تھا مگر سوچ رہی تھی کہ پتا نہیں تم کیا اٹھا لاؤ گے۔ مگر سب سوٹ اچھے ہیں۔" وہ اس کے لائے تحفے کی بھوکی نہیں تھی اس کے پاس ایک سے ایک اور قیمتی لباس موجود تھا مگر جب وہ میمونہ کے لیے بطور گفٹ سوٹ لا سکتا تھا تو کیا ماہین کے لیے نہیں۔ وہ اس لڑکی کے ساتھ اپنا موازنہ کرنا نہیں چاہتی تھی مگر لاشعوری طور پر کر رہی تھی۔ آنکھوں میں کچھ چبھتا ہوا محسوس ہو رہا تھا وہ زبردستی خود کو سمجھاتی وہاں بیٹھی رہی تھی۔ کمرے میں جا کر وہ کتنی دیر تک روئی تھی۔ اس نے شاہ میر کے بارے میں کبھی بھی اس انداز سے نہیں سوچا تھا۔ بلکہ اس کی تو زیادہ تر شاہ میر کے ساتھ لڑائی ہی رہا کرتی تھی۔ اسے خود نہیں پتا تھا کہ لڑتے لڑتے وہ کب اس کے بارے میں اس طرح سوچنے لگی تھی۔

"کتنا اچھا ہوتا اگر میں اس بار ضد کر کے یہاں نہ آئی ہوتی۔ جس طرح اب تک اپنی ان فیلنگ سے انجان تھی ویسے ہی رہتی۔ کم سے کم یہ سب تو نہ دیکھتی۔ وہ میرے سامنے کسی اور کو اہمیت دے رہا ہے۔ مجھے اگنور کر رہا ہے۔ اسے میری کوئی پروا نہیں۔" روتے روتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

"کیا بات ہے آج کل بڑی چپ رہنے لگی ہو۔" وہ اس کے برابر میں بیٹھتا ہوا بولا تھا۔ ماہین نے میگزین سے نظریں ہٹا کر اس کی طرف دیکھا تو وہ بغور اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

"غلط فہمی ہے تمہاری۔" وہ خود کو لاپروا ظاہر کرتے ہوئے بولی تھی۔ "یہ بات اسے کبھی بھی پتا نہیں چلنی چاہیے۔ اگر اسے معلوم ہو گیا تو یہ میرا کتنا مذاق اڑائے گا۔ کتنا ہنسے گا مجھ پر۔ مجھے اس کے سامنے خود کو مضبوط رکھنا ہے۔" اس کے اندر سے آواز ابھری تھی۔

"غلط فہمی صرف ایک بندے کو ہو سکتی ہے۔ سارے گھر کو تو نہیں۔ نانا ابا اور نانی امی مجھ سے پوچھ رہے تھے۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ شاید میں نے تمہیں کچھ کہہ دیا ہے اس وجہ سے تمہارا موڈ آف ہے۔" وہ اپنی بات پر زور ڈالتا ہوا بولا تھا۔

"بس ویسے ہی شاید گھر یاد آ رہا ہے۔ ممی سے فون پر بھی تین چار دن سے بات نہیں ہوئی۔ شاید اس لیے۔" وہ مزید تکرار کیے بغیر اس کی بات سے اتفاق کرتے ہوئے بولی۔ اس طرح بن بن کر اس نے کبھی کسی کے ساتھ بات نہیں کی تھی۔ وہ بالکل منہ پھٹ اور آؤٹ اسپوکن لڑکی تھی۔ جو اس کے دل میں ہوتا وہ کہہ دیتی۔ چاہے سامنے والے کو اچھا لگے یا برا وہ کبھی کسی مصلحت کو خاطر میں نہیں لاتی تھی۔ مگر آج اسے ایسا کرنا پڑ رہا تھا تو بہت تکلیف ہو رہی تھی۔

"میر بھائی۔" میمونہ شاہ میر کو آواز دیتی لان میں آ گئی تھی۔

"دیکھیں میں نے آپ کے لیے اخروٹ کا حلوہ بنایا ہے۔ کھا کر بتائیں کیسا بنا ہے۔" وہ پلیٹ اس کے ہاتھ میں پکڑا کر خود بھی سامنے ہی بیٹھ گئی تھی۔

"لڑکی تم میری اسمارٹنس کا ناس مار کر رہو گی۔ یہ حلوے کھا کھا کر میرا کیا حال ہو گا ذرا بتاؤ لگتا ہے اب مجھے شام میں بھی ایک گھنٹہ جوگنگ کرنی پڑا کرے گی۔" وہ مصنوعی خفگی ظاہر کرتا ہوا بولا تھا۔ جواب میں میمونہ ہنس پڑی تھی۔ وہ اچانک پس منظر میں چلی گئی تھی۔ اس جگہ جیسے وہ موجود ہی نہیں تھی۔ وہ دونوں اس سے لاتعلق آپس میں مصروف تھے۔ اسے

الٹتا دیکھ کر میمونہ تعجب سے بولی۔

"ماہین باجی! کیا ہوا کہاں جا رہی ہیں۔ اچھا ذرا یہ حلوہ کھا کر بتائیں کیسا بنا ہے۔ میر بھائی میری اتنی محنت سے بنائے حلوے کا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ پلیٹ اس کی طرف کر کے بڑی معصومیت سے بولی تھی۔ ماہین کو اس پل وہ بے انتہا بری لگ رہی تھی۔

"مجھے اخروٹ کا حلوہ پسند نہیں ہے۔" وہ بے مروتی سے جواب دیتی اندر آ گئی تھی۔ میمونہ کے لیے اس کا یہ انداز بالکل نیا تھا۔

"کیا ہوا ماہین باجی کو آپ نے کچھ کہا ہے۔" وہ شاہ میر سے مخاطب ہوئی تھی۔

"مجھے کیا پتا کیا ہوا ہے۔ خود ہی جا کر پوچھ لو۔" وہ بڑے اطمینان سے بولا تھا۔

"وہ اس طرح کبھی بھی نہیں بولتیں۔ آپ ہی نے کچھ کہا ہو گا۔" وہ بے اعتباری سے بولی تھی۔

"اچھا تم اب یہ ماہین نامہ بند کرو اور مجھے سکون سے حلوہ کھانے دو۔" وہ ہنوز مطمئن انداز میں بولا تھا۔

برنی سے نانا ابا کے دوست اور ان کی فیملی ملنے آئی ہوئی تھی۔ بطور خاص نانا ابا سے ملنے کے لیے وہ لوگ زیارت بھی آئے تو نانا ابا نے ان کے آنے کی خوشی میں ڈنر کا اہتمام کیا جس میں انہوں نے اپنے خاص دوستوں اور ان کی فیملیز کو بھی مدعو کیا۔ بچوں سمیت مہمانوں کی وہ گیٹ ٹوگیدر اچھی خاصی رونق اور ہنگامہ پرور تھی۔ اتنے دنوں کے طاری جمود سے وہ بھی پارٹی کی تیاریوں میں لگ کر مطمئن ہو گئی تھی۔ میمونہ کے ساتھ اس کا انداز معمول کے مطابق تھا۔ شاہ میر سے بھی بات چیت ہو رہی تھی۔ میمونہ نے شاہ میر کا لایا بلیک سوٹ پہنا تھا۔ اس کی تیاری کے آگے ماہین کو اپنا پرپل ویلوٹ کا سوٹ ایک دم بکواس لگ رہا تھا۔ وہ خود کو سرزنش کرتی باربی کیو کے ساتھ دیگر انتظامات دیکھنے میں مگن تھی لان میں باربی کیو کا سارا ارینجمنٹ کیا گیا تھا۔ شاہ میر لان میں ملازمین سے متعلق ارینجمنٹ میں کچھ ردوبدل کروا رہا تھا۔

"ماہین ذرا کمرے سے میرا والٹ لا دو پلیز۔" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈال کر والٹ تلاش کرنے کے بعد اس سے مخاطب ہوا تھا۔ پہلے جیسی بات ہوتی تو وہ تڑخ کر جواب دیتی۔

"خود لاؤ میں تمہاری نوکر نہیں ہوں۔" مگر اس وقت وہ بغیر کچھ بولے چپ چاپ اندر آ گئی تھی۔ آج کل اس کا دل اتنا بے چین اور مضطرب رہتا تھا کہ اسے کسی سے بات کرنا اچھا ہی نہیں لگتا تھا۔ شاہ میر کے کمرے میں آئی تو والٹ کہیں بھی نظر نہیں آیا۔

"یہ تو اس سے پوچھا ہی نہیں کہ والٹ کہاں رکھا ہے۔" وہ جھنجلائی تھی۔ اسٹڈی ٹیبل پر دیکھا اس کے بعد بیڈ کی سائڈ ٹیبل پر دیکھا۔ مگر والٹ ندارد سائڈ ٹیبل کی دراز کھول کر دیکھا تو سامنے ہی والٹ پڑا تھا۔ وہ والٹ اٹھا کر دراز واپس بند کرنے ہی والی تھی کہ اس کی نظر دراز کے سب سے آخری کونے میں رکھی نیلے رنگ کی مخملیں ڈبیا پر پڑی۔ وہ دراز بند کر کے فوراً وہاں سے ہٹ جانا چاہتی تھی مگر فطری تجسس اسے ایسا کرنے سے روک رہا تھا۔

"بری بات ہے۔ یہ غیر اخلاقی حرکت ہے۔ کسی کی چیزوں میں بغیر اجازت گھسنا انتہائی بے ہودہ حرکت ہے۔" وہ ان تمام آوازوں کو نظر انداز کرتی ڈبیا نکال چکی تھی۔ کھولے بغیر ہی اندازہ تھا کہ اس میں کوئی جیولری ہے۔ کھول کر دیکھا تو اس میں ایک بے حد خوب صورت نازک اور نفیس نیکلس رکھا ہوا تھا۔ سونے کی مونی سی چین اور بیچ میں خوب صورت نگ جڑا ہوا لاکٹ جس پر M بنا ہوا تھا۔ اتنا قیمتی تحفہ وہ کسے دینے والا تھا۔ یہ بات سوچ کر اس کا دل بیٹھنے لگا۔ سب کچھ اس کی نظروں کے سامنے ہی تو تھا۔ شاہ میر کا میمونہ کے لیے غیر معمولی التفات اس کو ضرورت سے زیادہ توجہ دینا۔ یہ سب کچھ یونہی تو ہو رہا تھا۔ یہ تو متوقع تھا۔ پھر اسے اتنا دکھ کس بات پر ہو رہا ہے۔ اس نے اپنے آنسو بے دردی سے صاف کیے تھے۔ ڈبیا واپس دراز میں رکھ کر وہ کمرے سے باہر نکلی تھی۔ ملازم کے ہاتھ شاہ میر کا والٹ بھجوا کر وہ ادھر ادھر کے کاموں میں

خود کو مصروف کرنے لگی۔ فنکشن بے حد شاندار رہا تھا۔ کھانے کے بعد نانا ابا کے دوست ان سے مخاطب ہوئے۔

"اتنے زبردست ڈنر کے بعد کوئی گانوں وانوں کا پروگرام بھی ہونا چاہیے۔"

"بھئی اس کے لیے میرے سے رجوع کرو۔ کالج یونیورسٹی میں اسے ہی شوق رہا ہے گلوکاری وغیرہ کا۔" نانا ابا کے کہنے پر سب ہی اس کے پیچھے پڑ گئے تھے کہ کچھ سناؤ پہلے تو وہ ٹال مٹول کرتا رہا۔

"یہ کیا تم لڑکیوں کی طرح نخرے بازی کر رہے ہو تھوڑا سا کچھ سنا دو۔" نانا ابا نے ٹوکا تو وہ بلا خر آمادہ ہو ہی گیا۔

تم واقعی اچھی لڑکی ہو
یا مجھ کو اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو
کیوں جی اپنا رنجور کرو
وہ وعدے وفا نبھانے کے
تم بھول گئیں مجھے یاد رہے
کیا شان تمہاری گھٹ جاتی
جو ایفا کرنے آجاتیں
اب کن باتوں میں کھوئی ہو
اب کن سوچوں میں ڈوبی ہو
چہرے کو ذرا اٹھاؤ تو
آنکھیں بھی چار کرو دیکھو
تم غم چھوڑو دل کی بات کہو
تم ہنستی اچھی لگتی ہو
چہرے کی اداسی دور کرو

وہ بڑے جذبے سے گا رہا تھا۔ اس کی آواز اچھی تھی۔ اکثر خاندان کے فنکشنز میں اسے گانے کے لیے کہا جاتا تھا۔ مگر آج وہ یہ نظم کسی خاص وجہ سے گا رہا ہے ماہین کو اندازہ تھا۔ اس نے ایک نظر میمونہ کو دیکھا تو وہاں بڑے خوب صورت تاثرات درج تھے۔ وہ بڑے انہماک اور توجہ سے شاہ میر کو گاتا سن رہی تھی کہ دیکھ رہی تھی ماہین سمجھ نہیں پائی۔

"بائی دا وے یہ ذکر کس خوش قسمت کا تھا۔" نانا ابا کے دوست انکل ہمدانی نے بے تکلفی سے شاہ میر کے کندھے پر ہاتھ مار کر کہا تھا۔

"انکل کچھ تو سیکرٹ بھی رہنے دیں۔" وہ بے فکری سے قہقہہ لگاتے ہوئے بولا تھا جواب میں نانا ابا اور انکل کا قہقہہ بے ساختہ تھا۔ اس کا دل وہاں سے بری طرح اچاٹ ہو رہا تھا۔ مارے باندھے وہ مہمانوں کے جانے تک وہاں رکی رہی تھی۔ ساری رات وہ جاگتی رہی تھی۔ کبھی خوب صورت جگمگ کرتا M اس کی نظروں کے سامنے آجاتا کبھی جھلملاتا بلیک سوٹ۔ کبھی تم ہنستی اچھی لگتی ہو کی بازگشت سنائی دینے لگتی۔

"نانی امی میں واپس جا رہی ہوں۔" صبح ناشتے کی میز پر وہ نانی امی سے مخاطب ہوئی تھی۔ ڈائننگ ٹیبل پر صرف وہ نانا ابا اور نانی امی ہی موجود تھے۔ شاہ میر اور میمونہ ابھی سو کر نہیں اٹھے تھے۔ شاید کل کی تھکن اتار رہے تھے۔

"اتنی اچانک خیر تو ہے۔" نانی امی نے حیرت سے پوچھا تھا۔

"جی وہ مجھے یاد ہی نہیں رہا تھا پرسوں میری فرینڈ کی انگیجمنٹ ہے۔ رات کو کیلنڈر پر نظر پڑی تو یاد آیا۔ اگر میں نہیں گئی تو وہ سخت ناراض ہوگی۔"

جانے کا کیا بہانہ کرنا ہے یہ وہ رات ہی سوچ چکی تھی۔ اس میں جھوٹ تھا بھی نہیں۔ کنزی کی واقعی پرسوں انگیجمنٹ تھی۔ جھوٹ بس صرف اتنا تھا کہ یہ بات اسے شروع وقت سے یاد تھی۔ یہاں آنے سے پہلے ہی وہ اس سے معذرت کر کے اور گفٹ دے کر آگئی تھی۔ نانا ابا اور نانی امی کے پاس آنے سے زیادہ اس کے لیے کوئی فرینڈ کبھی بھی اہم نہیں رہی تھی۔ وہ یہ تمام چھٹیاں ان دونوں کی سنگت میں بتانا چاہتی تھی مگر اب ایسا ہونا ممکن نظر نہیں آرہا تھا۔ وہ جلد سے جلد یہاں سے دور چلی جانا چاہتی تھی۔ اسے اپنی عزت اور اپنا بھرم ہر چیز سے بڑھ کر عزیز تھا۔ وہ شاہ

میر کو کبھی بھی اس بات کی خبر نہیں ہونے دے گی۔ یہاں رہی تو اس کے کسی نہ کسی عمل سے وہ ضرور کچھ نہ کچھ جان جائے گا کہ وہ بہت ذہین ہے اور ایسا وہ کبھی بھی نہیں ہونے دے گی۔ اسے یقین تھا یہ تمام باتیں جو ابھی اسے بہت تکلیف دے رہی ہیں اس کی قوت برداشت سے زیادہ لگ رہی ہیں رفتہ رفتہ وہ انہیں اتنی شدت سے محسوس نہیں کرے گی۔ کراچی جا کر یونیورسٹی پڑھائی اور اپنی دوستوں میں لگ کر وہ یقیناً بہل جائے گی۔

"اگلا سمسٹر بریک آئے گا تو میں ساری چھٹیاں یہیں گزاروں گی پرامس۔" وہ نانا ابا کا اداس چہرہ دیکھ کر شرمندگی سے بولی تھی۔

"پھر اب تو آپ لوگ اکیلے بھی نہیں ہیں۔ ابھی تو شاہ میر بھی ہے اور اس کے جانے کے بعد بھی فی الحال میمونہ تو ہے ہی۔" وہ تسلی دینے والے انداز میں بولی تھی۔ اس کے انداز پر وہ ہنس پڑے تھے۔

"تمہاری کمی کبھی بھی کوئی بھی پوری نہیں کر سکتا میری جان۔" نانا ابا کا یہ جملہ اس کا سیروں خون بڑھا گیا تھا۔ کتنے دنوں بعد اس نے کوئی ایسی بات سنی تھی جو اسے خوش کرنے کا باعث بنی تھی۔

"بہت سے لوگ ہیں جن کے لیے میں سب سے زیادہ اہم ہوں۔ ہر ایک حسن پرست نہیں ہوتا۔" اس کے دل سے آواز ابھری تھی۔

"کب کی سیٹ بک کرواؤں۔" نانا ابا نے ناشتا ختم کرتے دریافت کیا تھا۔

"آج کی یا کل کی۔ جو بھی اویلیبل ہو۔" اس کے بعد وہ ٹیلی فون کی طرف متوجہ ہو گئے تھے۔ خوش قسمتی سے اسے آج شام کی فلائٹ میں سیٹ مل گئی تھی۔ اس کے سر سے جیسے کوئی بھاری بوجھ اتر گیا تھا۔ اب اسے صرف چند گھنٹے اور یہ اعصاب شکن صورت حال برداشت کرنی تھی پھر وہ آرام سے اپنے گھر میں ہوگی۔ اس نے طمانیت سے سوچا تھا۔

کمرے میں آکر وہ جلدی جلدی اپنا سامان سمیٹنے لگی۔ میمونہ واش روم سے نکلی تو اسے سامان پیک کرتا دیکھ کر تعجب سے بولی۔

"کیا ہوا۔ آپ کہیں جا رہی ہیں کیا؟"

"ہاں۔" وہ مختصر جواب دے کر اپنے کام میں مصروف ہوگئی تھی۔

"کہاں۔" وہ بے اختیار اس کے پاس آگئی تھی۔

"کراچی۔" جواب پھر مختصر تھا۔

"لیکن ابھی تو آپ کی چھٹیاں باقی ہیں اور کل تک تو آپ کا ایسا کوئی پروگرام نہیں تھا۔ اتنی اچانک کیوں جا رہی ہیں۔" ایسا لگ رہا تھا جیسے اس کے جانے کا سن کر وہ پریشان ہوگئی ہے۔

"بھئی آج یا کل مجھے واپس تو بہرحال جانا ہی تھا۔ میری دوست کی منگنی ہے اس لیے جا رہی ہوں۔" اس کی معصوم و سادہ شکل زیادہ دیر اسے سخت انداز برقرار رکھنے میں ناکام کر گئی۔

"ابھی مت جائیں پلیز۔" وہ رو دینے کو تھی۔ ماہین کی سمجھ میں نہ آیا۔ اسے کیا کہے "تمہاری ہی وجہ سے تو جا رہی ہوں۔ تم نے مجھے ہرا دیا۔ تمہیں تو خوش ہونا چاہیے۔" وہ دل ہی دل میں اس سے مخاطب ہوئی۔ جبکہ دوسری طرف وہ زار و قطار رونا شروع ہو گئی تھی۔ اسے روتا دیکھ ماہین ایک پل کے لیے بالکل حیران رہ گئی۔

"پاگل ہو بالکل کراچی کوئی اتنا دور تھوڑی ہے۔ تمہارا جب دل چاہے نانا ابا کے ساتھ آجانا۔ پھر ہم فون پر بھی باتیں کر سکتے ہیں۔ میں بھی جلدی چکر لگاؤں گی۔" وہ اسے سمجھانے لگی۔ کافی دیر کی کوشش کے بعد وہ میمونہ کو چپ کرانے اور سمجھانے میں کامیاب ہوئی تھی۔ اس کے دل میں میمونہ کی طرف سے جو بال آیا تھا وہ صاف ہو گیا تھا۔

"اگر یہ لڑکی شاہ میر کی پسند ہے تو کچھ غلط تو نہیں۔ یہ اس قابل ہے کہ اسے کوئی بھی پسند کر سکتا ہے۔ مجھے بڑے دل کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔ کسی سے جیلس ہونا، دوسروں کی خوشیوں سے حسد کرنا تنگ دل اور چھوٹے لوگوں کا کام ہے۔ میں حاسد نہیں ہوں۔" وہ خود کو سمجھا رہی تھی۔ وہ پیکنگ سے فارغ ہو کر نیچے

آئی تو لاؤنج میں نانا ابا اور شاہ میر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اسے آتا دیکھ کر دونوں چپ ہو گئے تھے۔

"سنا ہے آپ واپس جا رہی ہیں۔" شاہ میر نے مسکراتے ہوئے پوچھا تھا۔ اس کی مسکراہٹ ماہین کو پتا نہیں کیوں بڑی معنی خیز محسوس ہوئی۔

"ٹھیک سنا ہے۔" وہ اس کی مسکراہٹ نظرانداز کرتی اطمینان سے بولی۔

"کیا اسے شک ہو گیا ہے۔" کچن کی طرف جاتے اس نے تشویش سے سوچا تھا۔

"ایسا کیسے ہو سکتا ہے یہ صرف میرا وہم ہے۔ ٹھیک ہے وہ بہت جینئس ہے، بہت انٹیلیجنٹ ہے مگر اتنا پہنچا ہوا بھی نہیں کہ اسے دوسروں کے دل کا حال معلوم ہو سکے۔" اس نے خود اپنی ہی سوچ کی نفی کی تھی۔ شاہ میر اس کے بعد بھی کافی دیر تک بیٹھا نانا ابا سے پتا نہیں کون سے مذاکرات کرتا رہا تھا۔ اس کے بعد وہ پتا نہیں کہاں چلا گیا تھا۔ لنچ کے بعد اس کی واپسی ہوئی تھی۔ شام چار بجے اس کی روانگی تھی۔ اسے ایئرپورٹ چھوڑنے نانا ابا جا رہے تھے۔ نانی امی اور میمونہ نے اسے گیٹ تک آ کر خدا حافظ کہا تھا۔

"جب عدالت سے زبیدہ اور اس کے بھائیوں کو سزا سنا دی جائے تو مجھے یہ خوشخبری فوراً سنانا۔" اس نے میمونہ کا ہاتھ تھام کر گرمجوشی سے کہا تھا۔ اس نے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔ شاہ میر شاید اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ وہ اسے چھوڑنے ایئرپورٹ کیوں نہیں جا رہا یا خدا حافظ کہنے کیوں نہیں آیا ماہین نے ایک لمحہ بھی نہیں سوچا۔ اس قسم کے مینرزلز دونوں ہی نے کبھی بھی ایک دوسرے کے لیے شو نہیں کیے تھے۔ نانا ابا سے رخصت ہو کر اپنا ہینڈ بیگ اور بورڈنگ پاس ہاتھ میں لیے وہ ویٹنگ لاؤنج میں آ گئی۔ اس کی فلائیٹ کا ٹائم ہونے ہی والا ہے۔ اس نے گھڑی کی طرف دیکھ کر سوچا۔ وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھتی پتا نہیں کیا کیا سوچے جا رہی تھی۔ آتے وقت کا سفر جو اس نے شاہ میر کی سنگت میں طے کیا تھا یاد آ رہا تھا۔

"کیا پتا تھا یہاں سے میں بالکل خالی ہاتھ واپس لوٹوں گی۔" ایسا لگ رہا تھا جیسے کسی نے آنکھوں میں ریت بھر دی ہے۔

"یہ کیا بچپنا ہے۔" وہ خود سے خفا ہوئی۔ اس کے برابر والی سیٹ پر کوئی آ کر بیٹھا تھا۔ اردگرد کئی سیٹس خالی پڑی تھیں۔ اسے اس برابر آ کر بیٹھنے والے پر سخت تاؤ آیا۔ بلاوجہ لڑکیوں کو دیکھ کر فری ہوتا۔ وہ ایک سخت نگاہ اس بندے پر ڈال کر وہاں سے اٹھ جانا چاہتی تھی کہ ایک سرگوشی نما گنگناہٹ سن کر ٹھٹک گئی۔

"تم جتنی اچھی لگتی ہو۔" یہ آواز تو وہ لاکھوں آوازوں میں پہچان سکتی تھی۔

"میر تم؟" وہ ہونق نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"نی میں، چھوٹی خالہ نے تمہیں میری نگرانی اور سرپرستی میں یہاں بھیجا تھا۔ تم نے یہ کیسے سوچ لیا کہ تمہیں اکیلے جانے دیا جائے گا۔" وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے سنجیدگی سے بولا تھا۔

"میں کوئی بچی نہیں ہوں جسے تمہاری نگرانی میں دیا جائے۔" وہ تپ گئی تھی۔

"اچھا تو ماہین انصاری بڑی ہو چکی ہیں۔ تب ہی ایئرپورٹ کے ویٹنگ لاؤنج میں بیٹھ کر آنسو بہا رہی تھیں۔" وہ اس کے گال پر ٹھہرے آنسو کو اپنی انگلی کی پور پر روکتا ہوا بولا اسے خبر ہی نہیں ہوئی تھی کہ کب اس کی آنکھ سے آنسو بہا تھا۔ وہ بری طرح شرمندہ ہو گئی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ شاہ میر کے سامنے اپنے رونے کا کیا جواز پیش کرے۔

"تمہارا جانے کا کوئی پروگرام نہیں تھا۔" وہ بات بدلنے کے لیے بولی تھی۔

"پروگرام تو آپ کا بھی نہیں تھا۔ ویسے یہ کس بے چاری دوست کی اچانک منگنی کروا رہی ہو۔ خدا کرے تمہاری زبان مبارک ہو اور اس کی جلدی سے منگنی شادی رخصتی سب ہو جائے۔" وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔

"تمہارا کیا خیال ہے میں نے جھوٹ بولا ہے۔

...دیکھ لینا۔ تمہیں یقین آ جائے گا۔" وہ چڑ کر ...لی۔ جواب میں وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا تھا۔

"...ڑی داڑھی میں تنکا اسے ہی کہا جاتا ہے۔" وہ ...نستے ہوئے بولا تھا۔ ماہین ایک دم چپ ہو گئی تھی۔ ...ت فلائیٹ کی اناؤنسمنٹ ہوئی تو وہ کھڑا ہو گیا۔ ...اسے دیکھ کر ماہین بھی اٹھ گئی تھی۔ جہاز میں ...اس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی وہ رن وے کا جائزہ ...لے رہی تھی۔ شاہ میر بھی خاموشی سے بیٹھا پتا نہیں ...کیا سوچ رہا تھا۔

"...تمہارا میرے لیے اتنا پوزیسو ہونا بہت اچھا ...ہے۔" شاہ میر کی یہ بات اسے کرنٹ لگا گئی تھی۔ ...بات سے وہ ڈر رہی تھی وہ ہو گئی تھی۔ وہ جس چیز ...سے بھاگ کر یہاں سے جانا چاہتی تھی اس سے بھاگ ...نہیں پائی تھی۔ وہ اپنی بات کا ردعمل اس کے چہرے پر ...غور سے دیکھ رہا تھا۔ وہ سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ...اتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے اور دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوتی ...جا رہی تھی۔ کیسے خود کو چھپائے۔ اسے غلط ...فہمی ہے۔ وہ بس یہی سوچ رہی تھی۔

"...ماہین جس کی تم سب سے بڑی ہمدرد اور دل ...سے ...نہیں میری وجہ سے وہ بھی بری لگنے لگی۔ ...تم اس بے چاری کو بڑی سخت نگاہوں سے ...گھور کر دیکھ رہی تھیں تو مجھے بڑا ہی مزہ آ رہا تھا۔" ...صورت اسی وقت کو انجوائے کر رہا تھا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں پڑی کسی کو گھور کر دیکھنے ...کی ...بلاوجہ کی خوش فہمی ہو رہی ہے۔" وہ اس ...کی ...بات کو غصے سے بولی تو وہ شرارت سے ہنس ...دیا۔ اس کی شرارتی ہنسی ماہین کو طیش دلا رہی تھی۔

"...تم تو اتنے ...ٹکٹکی باندھے دیکھے جا رہے تھے۔ ...ایسے لگ رہے تھے یہ تھرڈ کلاس حرکتیں کرتے ...ہوئے۔" وہ غصے سے بولی تھی۔

"...تم مجھے اتنا بغور آبزرو کر رہی تھیں کہ میں ...کیا دیکھ رہا ہوں اور کیا کر رہا ہوں۔" وہ شوخی سے ...بولا۔ "...اس کے لیے بطور خاص کسی آبزرویشن کی کوئی ...ضرورت نہیں تھی۔ کوئی اندھا بھی اس بات کو فیل کر سکتا تھا کہ ہیزل گرین آنکھیں اور لمبے سلکی بالوں پر آپ دل و جان سے فدا ہو چکے ہیں۔ وہ ہو بہو آپ کے آئیڈیل کے مطابق ہو ہے۔" اسے خود احساس نہیں ہوا کہ اس کی باتوں سے جیلسی ظاہر ہو رہی ہے۔ شاہ میر اس کے انداز پر ہنس پڑا تھا۔

"بس تمہاری یہی بات اور یہی attitude مجھے اپیل کرتا ہے۔ ویسے اپنا آئیڈیل میں نے تمہیں کب بتایا تھا؟"

"مجھے کیوں بتاتے۔ عمار بھائی کی مہندی پر سب کے سامنے کہا تھا۔" وہ اس کے ہنسنے پر غصے سے بولی تھی۔

"او خدا تمہیں اتنی پرانی بات اب تک یاد ہے۔ میں تو بھول بھی گیا تھا۔" وہ سر پر ہاتھ مار کر یاد کرتے ہوئے بولا تھا۔

"یعنی تم اتنے پہلے سے میرے بارے میں سوچتی ہو۔" وہ خوش ہو کر بولا ماہین کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے وہ دوبارہ بولا۔

عمران ڈائجسٹ کا تہلکہ خیز سلسلہ

کوبرا

بمبئی کے فٹ پاتھ سے اٹھنے والے طوفان

داؤد کی داستانِ حیات

وہ طاقت کے بل پر زندہ رہنے کا ہنر جانتا تھا

غضب ڈھا دینے والا ایک پُراسرار سلسلہ

جس کو آپ مکمل پڑھنا چاہتے تھے لیجیے!

اب مکمل تین حصوں میں شائع ہو گیا ہے

مکتبہ عمران ڈائجسٹ اردو بازار کراچی

"بھئی اس میں برا ماننے والی تو کوئی بات نہیں ہے۔ اب سب کے سامنے میں یہ تو کہنے سے رہا تھا کہ میری آئیڈیل کے بال شولڈرز تک ہوں گے' بے چاری انہیں لمبا کرنے کے لیے کئی نسخے آزماتی ہوگی مگر بال بڑے نہیں ہوتے ہوں گے۔ انڈہ' دہی' دودھ' ہرا دھنیا' پودینہ' ٹماٹر' چائے کی پتی' ماش کی دال' آٹا' بیسن اور پتا نہیں کیا کیا لگاتی ہوگی مگر بال ایک انچ نہ بڑھتے ہوں گے۔" شاہ میر کی سنجیدگی سے کہی اس بات پر وہ اپنی مسکراہٹ چھپا نہیں پائی تھی۔ اکثر چھٹی والے روز شاہ میران کے گھر آجایا کرتا تھا اور اکثر ہی ایسا ہوتا کہ چھٹی کا دن ہونے کی وجہ سے کبھی وہ سر پر انڈہ' کبھی مہندی یا کوئی اور چیز لگائے ہوتی پھر وہ تیمور و میرو کے ساتھ مل کر اس کا ریکارڈ لگایا کرتا تھا۔ اسے مسکراتا دیکھ کر وہ بھی مسکرا دیا۔

"پہلی بات یہ ہے کہ میں صرف انسانیت کے ناتے اور ہمدردی میں اس سے بات کر رہا تھا۔ میری اس کے بارے میں ایسی کوئی فیلنگ نہیں تھی۔ مگر اس روز لان میں جب تم اسے میرے پاس سے اٹھا کر لے گئیں تو میں چونکا۔ ذرا غور کرنے سے ساری بات سمجھ میں آگئی۔ تمہارے بارے میں اس طرح میں نے پہلے کبھی بھی نہیں سوچا تھا مگر اس روز مجھے تمہارا وہ جیلس روپ بہت اچھا لگا۔ پھر اس کے بعد تو میں صرف تمہیں ستانے کے لیے اسے اتنی زیادہ اہمیت دیتا تھا اور تمہیں جان کر اگنور کرتا تھا۔ میرے لیے وہ چھوٹی بہنوں جیسی ہے۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔

"ہاں چھوٹی بہنوں کو اتنے ہی والہانہ انداز میں دیکھا جاتا ہے۔ ان کے لیے غزلیں گائی جاتی ہیں اور ان کے لیے سب سے چھپا کر گولڈ کے گفٹ لیے جاتے ہیں۔" وہ جل کر بولی تھی۔ اس کی بات پر شاہ میر بے ساختہ ہنس پڑا تھا۔

"تم سے کس نے کہا میں نے اسے گولڈ کا گفٹ دیا ہے۔" وہ ہنسی روکتا ہوا بولا تھا۔

"میں نے اپنی آنکھوں سے M کے لاکٹ والی چین تمہاری دراز میں دیکھی ہے۔" وہ اس کے انداز پر تپ گئی تھی۔

"تم کبھی بڑی بھی ہوگی کہ نہیں۔ M سے نام صرف میمونہ ہی آسکتا ہے ماہین نہیں۔" وہ ذرا چڑ کر بولا تھا۔

"مجھے اور اتنا قیمتی گفٹ تم دو گے۔ تمہارا ہارٹ فیل نہیں ہو جائے گا۔ کبھی چار روپے کی چیونگم تک دی نہیں ہے۔" وہ ماننے کو تیار ہی نہ تھی۔ اس کی بات کے جواب میں بجائے کچھ کہنے کے وہ جیکٹ کی پاکٹ میں سے کچھ نکالنے لگا۔ ماہین خاموشی سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس نے جیب سے وہی نیکلس نکالا تھا۔ اسے نیکلس کا لاک کھول کر اپنی طرف ہاتھ بڑھاتا دیکھ کر وہ بے اختیار پیچھے ہٹی۔

"کیا کر رہے ہو۔ پاگل ہو گئے ہو کیا؟" وہ اس کی بات کا کوئی نوٹس لیے بغیر ذرا سا اس کی طرف جھکا اور چین اس کے گلے میں ڈال کر پیچھے سے لاک لگانے لگا۔ سامنے سے آتی ایرج و منی کو دیکھ کر وہ بری طرح شرمندہ ہوئی تھی۔

"اب تو آگیا یقین کہ یہ چین بھی تمہارے لیے تھی۔ وہ نظم بھی تمہارے لیے تھی اور اسے والہانہ انداز میں دیکھنا بھی صرف تمہاری وہ جلی کٹی اور روتی بسورتی شکل دیکھنے کے لیے تھا۔" وہ اس کی اس فضول سی حرکت پر اب تک شرمندہ سی سر جھکائے بیٹھی تھی۔

"سنو کیا تم شرما رہی ہو۔" وہ شرارتی انداز میں بولا تھا۔ ماہین کا سر مزید جھک گیا تھا۔

"ویسے تم نے وہ مثل تو ضرور سنی ہوگی کہ دل آیا گدھی پر تو پری کیا چیز ہے۔ بس میرے ساتھ بھی ہے ایسا ہی کچھ ہوا ہے۔" جواب میں اس کا ردعمل حسب توقع تھا۔ وہ شرمانا ورمانا بھول کر اسے گھورنے لگی تھی۔ مگر ان آنکھوں میں وہ غصہ بھرتے نہیں دیکھ پائی تھی۔

"تم ہنستی اچھی لگتی ہو۔" وہ آہستہ سے گنگنایا اور وہ واقعی ہنس پڑی تھی۔

☆